آگہی

۲۰۱۹ء

سرپرست اعلیٰ: حاجی محمد بشیر (مینجنگ ٹرسٹی)

سرپرست: مسز تسنیم میر

منتظم: تسنیم عاجزہ (استاد)

مدیر: اقصیٰ جاوید

نیشنل ماڈل ہائیر سیکنڈری سکول شیخوپورہ

فہرست

حرف اول — اقصیٰ جاوید — 01

انشائیے

1۔	پاکستان کا قومی ترانہ	طوبیٰ حسن (دہم ٹی)	05
2۔	اخبار بینی	عائشہ امجد (دہم جے)	07
3۔	حضورؐ کا قائم کردہ معاشرہ	اقصیٰ جاوید (دہم ٹی)	09
4۔	دولت، عزت اور علم	ثنا مشتاق (استاد)	11
5۔	میر تقی میر کا فن رباعی	رابعہ شبیر (سالِ اول)	13
6۔	نبی آخر الزماں کی تشکیل کردہ فلاحی ریاست	امینہ زینب (استاد)	15
7۔	حضرت عمر بن عبدالعزیز	منال محمود (پنجم ایس)	17
8۔	عبدالستار ایدھی (پاکستان کا افتخار)	معروشہ طارق خاں (دہم جے)	19
9۔	انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا	صفورا عامر (استاد)	22
10۔	ٹیپو سلطان	فاطمہ زماں (پنجم ایس)	26
11۔	نورِ کبریائی کا مظہر مدینہ منورہ	ڈاکٹر اسماء حیات	27
12۔	خدا نیا کرنے والا ہے	ندیم جون (استاد)	30
13۔	بڑی مشکل ہے دوستوں سے دور رہنے میں	شازیہ عبدالحق (استاد)	31

کہانیاں

1-	اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے	اریبہ عظمت (ہفتم ٹی)	35
2-	سایہ دار درخت	مومنہ علی (ہفتم جے)	36

3۔	غریب لکڑ ہارا	لائبہ ساجد (پنجم ایس)	37
4۔	امّاں جی :	جویریہ عظیم (پنجم ٹی)	38
5۔	کفائت شعاری	عائشہ افتخار (پنجم ٹی)	40
6۔	ٹائم مشین	نور فاطمہ (پنجم ایس)	42

شاعری

1۔	ہوائی جہاز (نظم)	اقراء جمشید (ششم ٹی)	46
2۔	ششم جے کی طالبات (نظم)	شوال فاطمہ (ششم جے)	47
3۔	عید (نظم)	اریبہ عظمت (ہفتم ٹی)	48
4۔	طالب علموں کے نام (نظم)	مصباح خرم (استاد)	49
5۔	غزل	صفورا عامر (استاد)	50
6۔	دعا (نظم)	بصارہ خاں (نہم ایس)	51
7۔	میری ماں (نظم)	تحریم فاطمہ (ششم جے)	52
8۔	خدارا ہوش میں آؤ (نظم)	اریبہ عظمت (ہفتم ٹی)	53
9۔	مسز تسنیم میر کے نام (نظم)	نازیہ پروین (استاد)	54
10۔	ایک لڑکا (نظم)	عبدالہادی (ہشتم اے)	55
11۔	غزل	حمزہ اعظم (ہفتم بی)	56
12۔	غزل	نور انور (دہم ایس)	57
13۔	غزل	تسنیم عاجزہ (استاد)	58
14۔	میری خواہش (نظم)	تسنیم عاجزہ (استاد)	59
15۔	نظم: سانحہ پشاور	تسنیم عاجزہ (استاد)	60

مزاحیات

1۔	بچے کی دعا (نظم)	فاطمۃ الزہرہ (ششم ایس)	63
2۔	آیا سبزی والا آیا	جویریہ عظیم (پنجم ٹی)	64
3۔	گرمی کا ہے موسم آیا	رمشا (دہم ٹی)	65
4۔	ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی	اثناء عرفان (پنجم ٹی)	66
5۔	امیدوار الیکشن سے پہلے اور بعد	ماہ رخ طاہر (ہشتم جے)	67
6۔	ماڈرن ڈکشنری	سکندر جاوید (نہم اے)	68

معلومات و متفرقات

1۔	جنت کے دروازوں کے نام	عائشہ طارق (پنجم ٹی)	71
2۔	آسمان کتنا اونچا ہے	زینب افتخار (پنجم ایس)	72
3۔	قرآن پاک کے بارے میں معلومات	محمد عبداللہ (ہشتم بی)	73
4۔	نفسیات اور قلم	شاہ زیب احمد (ہشتم بی)	74
5۔	مہکتی کلیاں	اذان کاوش (دہم بی)	75
6۔	اقوالِ حضرت علیؓ	عائشہ طارق (پنجم ٹی)	76
7۔	اقوالِ زریں	حرم شہزاد (نہم ایس)	77
8۔	اقوالِ زریں	عروبہ اختر (ششم ٹی)	78
9۔	محنت کی عظمت	زینب صداقت (دہم ایس)	79
10۔	زندگی	ماہ نور سہیل (ہشتم ٹی)	80

حرفِ اول

اقصیٰ جاوید (دہم ٹی)

علم کی وسعتیں اوراس کے پیرائے گوناں گوں ہیں۔ زبان وقلم کی وسعت نے علوم کی وسعت کے اظہار کے ہر گوشے کو اتنی رونق بخشی ہے کہ انسان کی سماعتیں اور بصارتیں اس کی جولانیوں سے لبریز ہیں۔

قوموں کے فکر وفلسفہ کے معماران کے دانشور، اساتذہ، شاعر، ادیب اور فنکار ہوتے ہیں۔علم وادب خداوند عالم کا وہ نایاب تحفہ ہے جس کی بدولت ایک طالب علم کسی بھی استحصالی نظام کے خلاف سدِ سکندری بن جاتا ہے۔علم وہ جوہرِ نایاب ہے جو کسی بھی طالب علم کو اندھیری وادیوں سے نکال کر روشنیوں کے چمکتے دمکتے شہر میں لے آتا ہے جبکہ ادب اس کے اخلاق و کردار کی تعمیر کر کے اسے بقراط وافلاطون، امام غزالی، مولائے روم، شبلی اور اقبال بنا دیتا ہے۔

بدلتے ہوئے ملکی اور بین الاقوامی حالات میں جبکہ اہل اقتدار سے مفاہمت اور مفادات حاصل کرنا ہمارا طرزِ عمل بن گیا ہے۔ استاد کا کردار اور ذمہ داری تبدیل ہوگئی ہے۔ استاد کا فرضِ اولین ہے کہ وہ گروہ بندی اور دوست نوازی کی روش سے بالاتر ہو کر ایک طالب علم کو جرات مندانہ وغیرت مندانہ سوچ دے کر اس کی بصیرتوں اور بصارتوں کو اجلا بنانے کی کوشش کرے۔ اس کو گفتار و کردار کا غازی بنا کر اس کے علمی سفر کو راحت افزا اور خوشگوار بنانے کی کوشش کرے۔

ورنہ خواہشوں کے سامنے سب کچھ دھرا رہ جائے گا
ہم بھی اس عہد ہوس کے نغمہ خواں ہو جائیں گے۔

نیشنل ماڈل ہائیر سیکنڈری سکول اس مقصد کے حصول کے لئے مسز تسنیم میر کی قیادت میں پوری ایمانداری اور ذمہ داری سے طلباء کے ذوق طبع کو نئی جہت دینے کے لئے مصروفِ عمل ہے اور ہر سال آگہی کے نام سے ایک رسالہ نکالتا ہے۔ جس میں نونہالانِ چمن کی علمی وادبی کاوشوں کو مجتمع کیا جاتا ہے۔ دنیا کی ہر علمی وادبی کتاب کی طرح اس میں بھی بہتری کی گنجائش ہوسکتی ہے مگر آپ کی حوصلہ افزائی ہمارے اس علمی سفر کو مزید منور اور روشن کرنے کا باعث ہوگی۔ کیونکہ شوق اور جذبے کی قیمت رقوم میں نہیں بلکہ آسودگیٔ خاطر میں میسر آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس شمارے کو ادارے کی روایاتِ سخن کا امین بنائے۔ آمین۔

انشائیے

پاکستان کا قومی ترانہ

(طوبیٰ حسن، دہم ٹی)

ابوالاثر حفیظ جالندھری کا شمار بیسویں صدی عیسوی کے اہم ترین اردو شعرا میں ہوتا ہے لیکن یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس صدی کی امتیازی حیثیت ان کے تخلیق کیے ہوئے پاکستان کے قومی ترانے نے انہیں دی ہے۔ جس کی دھن فنِ موسیقی کے ایک ماہر احمد غلام چھاگلا نے ترتیب دی تھی۔ اس دھن کو پہلی مرتبہ پیانو پر ریڈیو پاکستان کے بہرام سہراب رستم جی نے بجایا تھا اور جب ابوالاثر حفیظ جالندھری نے اس دھن کو الفاظ کے جلال و جمال سے ہم آہنگ کیا تو اس صدابندی میں 12 آلات وموسیقی اور 38 ساز استعمال ہوئے۔ پیش منظر پر ابھرنے والی موسیقی ریز آوازیں گیارہ گلوکاروں کی تھیں۔ جن میں احمد رشدی، زوار حسین، کوکب جہاں، اختر وصی علی، انور ظہیر، اختر عباس، رشیدہ بیگم، غلام دستگیر، شمیم بانو، نجم آراء اور رشید بیگم شامل ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ احمد غلام علی چھاگلا کی دھن پر قومی ترانہ کمیٹی نے جس کے ابتدائی صدر سردار نشتر تھے۔ حفیظ جالندھری کو ترانہ لکھنے کی خصوصی دعوت نہیں دی تھی بلکہ اس دھن کو قریباً 5 سال (1949-1954) تک ریڈیو پاکستان کے مختلف اسٹیشنوں سے نشر کیا جاتا رہا اور شعرائے کرام کو دعوت عام دی جاتی رہی کہ وہ اس دھن کے مطابق ترانے تخلیق کریں۔

قومی ترانہ کمیٹی دسمبر 1948ء میں قائم کی گئی۔ اس کے ارکان میں پیرزادہ عبدالستار، پروفیسر راج کمار چکروتی، چوہدری نذیر احمد، سید ذوالفقار علی بخاری، اے ڈی اظہر، قوی جسیم الدین اور حفیظ جالندھری شامل تھے۔ کنوینئر ممتاز دانشور، بیوروکریٹ ایس ایم اکرم اور صدر عبدالرب نشتر بھی شامل تھے۔ سردار عبدالرب نشتر کو جب پنجاب کا گورنر بنایا گیا تو ترانہ کمیٹی کی صدارت پیرزادہ عبدالستار کے سپرد کی گئی جو اگرچہ خوراک اور زراعت کے وفاقی وزیر تھے لیکن موسیقی میں بھی دسترس رکھتے تھے۔

قومی ترانہ کمیٹی کو اس پانچ سال کے عرصے میں مشرق اور مغربی پاکستان سے 723 ممتاز شعراء نے ترانے بھیجے لیکن ترانہ کمیٹی نے حکیم احمد شجاع، حفیظ جالندھری اور سید ذوالفقار علی بخاری کے ترانوں کو "شارٹ لسٹ" کیا۔ یہ ترانے 4 اگست 1954ء کو

آگہی

پاکستان کی مرکزی کابینہ کے سامنے پیش کیے گئے۔کابینہ نے حفیظ کے لکھے ہوئے ترانے کو " قومی ترانے " کے طور پر منظور کیا اور یہ پہلی مرتبہ 31 اگست 1954ء کو ریڈیو پاکستان سے نشر ہوا۔

پاک سرزمین شاد باد کشور حسین شاد باد

تو نشان عزم عالی شان ارض پاکستان

" مخمس " قائم کی اور اس کے ایک ایک لفظ میں پاکستانیت سمونے کی کوشش کی ۔ پورا ترانہ بجنے میں ایک منٹ اور 20 سیکنڈ لگتے ہیں۔ سننے والے احتراماً کھڑے ہوجاتے ہیں اور پاکستان کے قیام وثبات کے لئے دعا کرتے ہیں تو مجھے یقین ہے کہ حفیظ جالندھری کے لئے بھی دعائے خیر کرتے ہیں ۔قومی ترانے کا اعزاز حفیظ جالندھری کا انفرادی اعزاز ہے جو دوام ابد سے سرفراز ہے۔

اخبار بینی

عائشہ امجد (دہم ج)

خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے

زمین کی سیر کرو اور قوموں کے انجام پر نظر ڈالو تاکہ تمہاری قوم کو نصیحت اور عبرت حاصل ہو۔ اخبار عربی کا لفظ ہے مگر عام بول چال میں خبر اس مجموعے کو کہتے ہیں جو روزانہ شائع ہوتا ہے۔ اخبار کے مطالعہ سے انسان گھر بیٹھے ساری دنیا کی سیر کر لیتا ہے۔

اخبار انسان کا رفیقِ تنہائی ہی نہیں بلکہ دنیاوی معاملات میں اس کا رہنما بھی ہے۔ یہ ملکی اور غیر ملکی حالات معلوم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ روزانہ اخبار نہ پڑھنے والے دنیا سے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔

اخبارات کا مطالعہ کرنے سے ہم دوسری قوموں کی صنعتی اور سائنسی ترقیوں سے باخبر ہوتے ہیں۔ ہمیں ان کے زرعی منصوبوں کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے اقتصادی پروگرام اور تجارتی اصولوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ ان کی تمدنی اور سیاسی زندگی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح ہمارے دل میں بھی اپنے ملک کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

تاجر اور کاروباری لوگ اخبارات کے ذریعے منڈیوں کے نرخ معلوم کر لیتے ہیں۔ صنعتی ادارے اپنی مصنوعات کے اشتہارات کو اخبارات میں شائع کرا کے اپنے کاروبار کو فروغ دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ اخبار میں ہر شعبۂ زندگی کے متعلق کچھ نہ کچھ مواد موجود ہوتا ہے اور تمام لوگ خواہ ان کا تعلق کسی بھی پیشے سے ہو، مطالعۂ اخبار سے یکساں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

پہلے پہل اخبار میں عام طور پر خبریں، اشتہارات، منڈیوں کے بھاؤ اور کہانیاں وغیرہ بھی شائع ہوا کرتی تھیں۔ لیکن آج کل ٹھوس قسم کے علمی، اخلاقی، مذہبی اور سیاسی مضامین بھی اخبارات میں آنے لگے ہیں اخبارات جن کے مطالعہ سے ایک تو انسان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرا اس کے ذہن کی فکری تربیت بھی ہوتی ہے۔

اپنے ملک کی رفتارِ ترقی کا پتہ بھی ہمیں اخبارات سے ہی چلتا ہے۔ حکومتیں اپنی پالیسیوں اور منصوبوں کو اخبارات کے ذریعے مشتہر کرتی ہیں اور لوگ اخبارات ہی میں حکومت پر تنقید

آگہی

کرتے ہیں اور اس کی مختلف سرگرمیوں کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں گویا اخبار عوام اور حکومت کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہے اور حکومت کی بات عوام اور عوام کی بات حکومت تک پہنچاتا ہے۔

اخبارات کا مطالعہ طالب علموں کے لئے نہایت ضروری ہے۔ وہ جس زبان کے اخبارات پڑھیں گے، اس زبان کو اچھی طرح سیکھ جائیں گے۔ علاوہ ازیں اس سے تاریخ، جغرافیہ اور شہریت جیسے مضامین میں کامیاب ہونے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ الغرض اخبار پڑھنے سے نہ صرف تعلیمی قابلیت میں اضافہ ہوتا بلکہ واقفیت عامہ میں بھی بے حد وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

حضورؐ کا قائم کردہ معاشرہ

اقصیٰ جاوید (دہم ٹی)

انسان جب اس دنیا میں آیا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت کا سلسلہ اسی روز سے جاری وساری ہے۔ تاریخ انسانی کی کایا پلٹنے والے اور واعظ و نصیحت کرنے والے لوگ ہمیں ہر دور میں میسر رہے۔ آپ نے سقراط بقراط اور افلاطون کے نام سنے ہوں گے۔ جنہوں نے اپنی فکر سے کام لے کر انسانوں کی رہنمائی کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ دنیائے تاریخ میں فاتحین اعظم بھی نظر آتے ہیں۔ سکندرِ اعظم بھی دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمدؐ تک انبیاء کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کائنات میں جتنے بھی انبیائے کرام آئے۔ انہوں نے دنیا میں انقلاب لانے کے لئے کوشش کی۔ ان انبیاء کرام کی محنت وکاوش سے معاشرے میں تبدیلی آئی تو سہی لیکن اس کا دائرہ اثر محدود رہا۔

سو وقت اور حالات کی ضرورت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو معاشرے کی تطہیر اور اس کو منظّم کرنے کے لئے بھیجا اور فرمایا:

"بے شک ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

حضرت محمدؐ نے اپنی زندگی کے تیرہ سال مکہ میں گزارے۔ مکہ والوں کی سختیوں کے باوجود ان کے لئے رحمت و شفقت کا مظاہرہ کیا۔ مکہ کے اندر اہلِ مکہ میں تبدیلیاں آئیں مگر کچھ اور طرح سے۔

جب آپؐ مدینہ آئے تو تبدیلی کا انداز بدل گیا۔ آپؐ نے تعلیم سے لے کر ریاست کی تنظیم تک جو تبدیلیاں اہل مدینہ میں پیدا کیں اس کی تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی۔

آپؐ کا تدبر آپؐ کی فراست آپؐ کی ذہانت اور لیاقت کا اعتراف غیر مسلم بھی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جس طرح آپؐ نے اسلامی ریاست کی تنظیم کی وہ بے مثال ہے۔ آپؐ جب افسروں کا انتخاب کرتے تو رشتہ داری اور تعلق داری کی بنیاد پر نہیں، عقل و دانش، فہم وفراست اور تقویٰ کی بنیاد پر افسروں کے انتخاب کے لئے خاص اصول مقرر فرماتے۔

آگہی

آپؐ جب کسی کو معلمِ اخلاق اور مبلغِ اسلام مقرر فرماتے تو صلاحیتوں کا جائزہ لے کر۔

امراء کے انتخاب کے معاملے میں اگر کوئی درخواست دیتا تو آپؐ اس کی درخواست مسترد کر دیتے اور فرماتے کہ ہم کسی ایسے شخص کو کسی علاقے میں مقرر نہیں کرتے جو خود اس کا طلب گار ہو۔

اگر رسول اکرمؐ کو ہم گھر کی تنظیم میں دیکھیں تو آپؐ ایک قابلِ تقلید شوہر اور بے مثال باپ نظر آتے ہیں۔

معاشرے کی اندر دیکھیں تو رحماء بینھمہ اشدآء علی الکفار کی عملی تصویر نظر آتے ہیں۔

لیاقت اور حلیمی میں بے مثال نظر آتے ہیں ۔ جب انصاف کی بات ہو تو فاحکم بینھم بالقسط کا مظاہرہ کرتے ہوئے خلافِ کفر ایک سیسہ پلائی دیوار بن جاتے ہیں۔

رسولِ خداؐ نے ایک صالح معاشرہ قائم کیا۔آپؐ کی قائم کردہ اسلامی ریاست کے مقاصد دعوتِ دین،اصلاحِ اخلاق اور تزکیہ نفس تھے۔آپؐ نے تیئیس سالہ کوشش وسعی کے بعد ایک ایسا اسلامی معاشرہ قائم کیا۔جس میں انسانی زندگی کی حرمت قائم ہو گئی۔احترام آدمیت اور اعمال کے تحفظ کی ضمانت مل گئی۔

مگر آج انسانیت خوبصورت ماحول ، امن وسکون مساوات اور بھائی چارے کی فضا کو ترس رہی ہے۔کاش وہ معاشرہ آج بھی قائم ہو جائے جس میں انسانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ ہو سکے۔(آمین)

دولت، عزت اور علم

ثنا مشتاق (استاد)

دولت ،عزت اور علم کے متعلق اکثر بحث و مباحثہ کیا جاتا ہے کہ انسانی زندگی میں کس کی اہمیت زیادہ ہے؟غریب کے لئے دولت، جاہل کے لئے علم اور رسوا کے لئے عزت سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے یعنی جو فرد جس چیز سے محروم ہے وہی چیز اس کے لئے اہم ہے۔گویا انسانی زندگی میں تینوں کی اہمیت مسلّم ہے۔ بلکہ دیکھا جائے تو دولت،عزت اور علم تینوں ہی انسان کا بنیادی حق اور اہم ضرورت ہیں۔ان میں سے کسی ایک کی کمی بھی انسانی شخصیت کو بری طرح متاثر کرتی ہے کہ انسان کے لئے بعض اوقات انسانیت کے درجے پر قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔

خوراک ،لباس اور رہائش انسان کا پیدائشی حق ہے جن کا حصول دولت کے بغیر ممکن نہیں۔امیر ہو یا غریب عزتِ نفس سب کو عزیز ہوتی ہے۔عزتِ نفس پر حرف آئے تو یہ کوئی برداشت نہیں کرسکتا اور بلاتفریق سب کا حق بھی ہے جبکہ آج کے دور میں جس کے پاس دولت نہیں ہے۔اس کی عزتِ نفس کا پاس رکھنے میں کسرِ نفسی سے کام لیا جاتا ہے۔گاڑی کا مالک پیدل چلنے والے کو، بنگلے کا مالک جھونپڑی میں رہنے والے کو،اونچی ذات والا چھوٹی ذات والے کو انسان ہی نہیں سمجھتا۔ انسان اپنی سطحی سوچ کی وجہ سے دولت کو ہی حصولِ عزت کا ذریعہ سمجھتا ہے۔دنیا کی نگاہ میں عزت پانے کی تمنا ہی انسان میں حصولِ دولت کی خواہش بیدار کرتی ہے اور اس خواہش کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے وہ ہر جائز و ناجائز راستہ اختیار کر لیتا ہے۔جبکہ عزت کا اصل معیار دولت نہیں،عقل و شعور ہے جو صرف علم کے ذریعے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

قرآن و حدیث میں علم کو فلاح اور کامیابی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔علم انسان کو پستی سے بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ ادنیٰ کو اعلیٰ بناتا ہے۔علم تہذیب یافتہ عوام کو تہذیب کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں اہلِ علم کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔قرآن مجید میں علم کی بہت زیادہ اہمیت اور عظمت بیان کی گئی ہے۔پہلی وحی میں بھی انسان کو علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

"پڑھ اور جان کہ تیرا رب کریم ہے، جس نے علم سکھایا، قلم کے ذریعے سکھایا آدمی کو جو وہ نہیں جانتا تھا"۔ (سورۃ العلق ۴،۵)

اسلام میں حصولِ علم کو بہترین عمل قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ علم ہی انسان کو سعادت و تکامل کا راستہ بتاتا ہے تاکہ وہ اپنے مستقبل کو اپنی خواہشات کے مطابق بہتر بنا سکے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

کہہ دیجئے، کیا برابر ہو سکتا ہے؟ اندھا (جاہل اور دیکھنے والا عالم) یا کہیں برابر ہو سکتا ہے۔ اندھیرا اور اجالا؟ (سورۃ الفاطر ۱۹:۲۰)

لیکن آج کے ترقی یافتہ دور میں ڈگریاں حاصل کرنے کو ہی علم کہا جاتا ہے، علم حاصل کرنا یہ تو نہیں کہ آپ بڑے بڑے تعلیمی اداروں سے اعلیٰ تعلیم کی ڈگریاں تو حاصل کر لیں مگر تمیز و تہذیب سے کوسوں دور رہیں۔ اگر آپ کی نظر میں شرم اور چال میں وقار نہیں تو ایسی تعلیم اور ایسے علم کا حصول وقت اور پیسے کے ضیاع کے سوا کچھ نہیں۔ علم تو انسان کو مہذب بناتا ہے، غرور، گھمنڈ اور جہالت کو ختم کرتا ہے۔ علم ہی انسان سے انسان کی عزت کرواتا ہے گویا دولت، عزت اور علم کی یہ مثلث معاشرتی زندگی میں یکساں اہمیت کی حامل ہے۔ ہر انسان کو بلاتفریق مساویانہ طور پر یہ حقوق حاصل ہونا چاہئیں۔ تب ہی معاشرہ امن، سلامتی اور خوشحالی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دولت، عزت اور علم کے حصول کے لئے نیکی اور ایمانداری کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

میر تقی میر کا فن رباعی

رابعہ شبیر (سالِ اول)

رباعی سخن کی وہ صنف ہے جو اردو اور فارسی میں یکساں رائج ہے۔ شاعری کی اس صنف کو بہت شہرت اور توجہ حاصل ہوئی۔ عربی کے لفظ رباع سے نکلنے والی رباعی کے چار شعر ہوتے ہیں جو مخصوص وزن کے چار مصرعوں میں ایک خیال بیان کرتے ہیں۔ فارسی اور اردو کے علمائے فن اس بات پر متفق ہیں کہ رباعی کے پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعے کا ہم قافیہ ہونا لازم ہے لیکن اگر تیسرے مصرعے میں بھی قافیہ آجائے تو کوئی حرج نہیں۔ رباعی ایرانیوں کی ایجاد ہے۔

براعظم پاک وہند میں بے شمار فارسی گو شاعروں نے رباعی کی صنف پر طبع آزمائی کی۔ ان میں ابوالفرج رونی، مسعود سعد، سلمان، بہاؤ الدین زکریا ملتانی، عراقی ہمدانی، قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فرید گنج شکرؒ، امیر خسرو دہلویؒ، شاہ شرف الدین بوعلی قلندر، فیضی، عبدالرحیم خان خاناں، عرفی شیرازی، نظیری نیشاپوری، طالب آملی، کلیم کاشانی، بیدل عظیم آبادی، غنیمت کنجائی، شیخ حزیں، میر تقی میر، خواجہ میر درد، غالب، مومن خان مومن، عبدالغفور نساخ، الطاف حسین حالی اور غلام قادر گرامی قابل ذکر ہیں۔ میر تقی میر کا رباعی گو شاعروں میں نمایاں مقام ہے۔ ان کا فارسی دیوان چونکہ ایک مدت تک شائع نہیں ہوا۔ اس لئے ان کی فارسی شاعری پر فن کے نقادوں نے کوئی مستند اور معتبر رائے قائم نہیں کی۔

میر تقی میر کا دیوان 1983ء میں چھپ کر جب منظرِ عام پر آیا تو علمی اور ادبی حلقوں میں میر تقی میر کی فارسی شاعری کا چرچا ہوا۔ ورنہ چند محققین اور نقادوں تک ہی اس کا ذکر محدود تھا۔ 1983ء میں "رسالہ نقوش" کے میر تقی میر نمبر 3 میں یہ دیوان شائع ہوا۔ میر تقی میر کی کل رباعیاں 214 ہیں۔ ان میں 110 اردو جبکہ 104 فارسی میں ہیں تاہم میر تقی میر کی رباعیوں پر ابھی تک کوئی سیر حاصل مقالہ نہیں لکھا گیا۔ سلام سندیلوی کے مطابق میر تقی میر قدیم دور کے بڑے شاعر تھے۔ غزل میں سوز و گداز اور درد و داغ کی کیفیت ہے۔ ان کی رباعیوں میں بھی بلا کی تپش اور تڑپ ہے۔ میر تقی میر کی نعتیہ رباعیوں کی تعداد چھ ہے۔ ان کے اردو کلام میں

حمد یہ، نعتیہ اور اثائی رباعیاں موجود ہیں۔ ان کے موضوعات میں عشق، محبت، تصوف، دنیا کی بے ثباتی، سماجی اور اخلاقی مضمون اور فلسفیانہ خیالات بھی موجود ہیں۔

میر تقی میر کو غم روزگار نے مایوسی سے ہم آغوش کیا، عشق میں ناکامی مقدر بن گئی۔ بڑے بھائی حافظ محمد حسین کے ہاتھوں زِک اٹھائی۔ خالو آرزو خان کے ناروا سلوک کا شکار ہوئے۔ ان کا محبوب وطن دہلی ان کے سامنے اجڑا، تلاشِ معاش نے عمر بھر سرگرداں رکھا۔ جس سے میر کی زندگی تلخ رہی اور یہی تلخی ان کی رباعیوں میں آشکار ہے۔ میر تقی میر کی عشقیہ رباعیوں کا پلہ ہمیشہ بھاری رہا۔ عشق ان کی زندگی اور شاعر کا مرکزی نقطہ ہے۔ جس کے محور کے گرد ان کی زندگی گردش کرتی رہی۔ عشق کا تجربہ ایسا ہے جس نے میر کی زندگی کو تہہ و بالا کر دیا۔ عشق کے بارے میں یہی آتشیں کیفیت ان کی رباعیوں میں نظر آتی ہے۔ میر تقی میر عشق پیشہ شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کو جادو اور جاذبیت عشق نے عطا کی۔ ان کی رباعیوں میں عشق کی روشنی ہے۔ عشق کی ناکامی نے لذتِ غم سے آشنا کیا، ان کی رباعیوں میں حزن و یاس کی فراوانی ہے۔ ان کی المیہ اور حزنیہ رباعیاں اردو ادب میں بلند مقام رکھتی ہیں۔ میر تقی میر کی عشقیہ رباعیوں کو وہی درجہ حاصل ہے جو فارسی شاعری میں ابوسعید، ابوالخیر کی فارسی رباعیوں کو حاصل ہے۔ میر تقی میر سے پہلے اردو میں عشقیہ رباعیاں موجود تھیں۔ محمد علی قطب شاہ، ولی، سراج، درد، میر پور امیر حسین کی رباعیاں قابل ذکر ہیں مگر میر کی اخلاقی رباعیاں خواہ اردو میں ہوں یا فارسی میں نہایت پر اثر ہیں۔ میر کی اخلاقی رباعیاں نازک خیالوں کی حامل ہیں جو ناصحانہ رنگ سے دور مگر دل پر اثر کرتی ہیں اور کردار بلند کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ میر تقی میر کی رباعیوں میں ان کے عہد کی سماجی تصویر نمایاں ہے۔ پر آشوب زمانے، دہلی کی آفتوں اور عصبیتوں، مرہٹوں کی لوٹ مار، جاٹوں کی شورش، نادر شاہ کے پے در پے حملوں اور اندرونی خلفشار سے کھوکھلا ہونے والی مغلیہ سلطنت کی جھلکیاں میر کی رباعیوں میں صاف نظر آتی ہیں۔

نبی آخرالزماں کی تشکیل کردہ فلاحی ریاست

امینہ زینب (استاد)

حضرت محمدؐ نے مدینہ میں جو اسلامی ریاست تشکیل دی وہ رہتی دنیا کے لئے مثال ہے۔ یہ ریاست تہذیب وتمدن کی قابل تقلید مثال بنی۔ آپؐ نے جو اصولِ ریاست انسانیت کو عطا کیے۔ وہ آج بھی ہر شعبۂ زندگی میں مشعل راہ بنے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے ریاست کے اندرونی معاملات میں جہاں قانون کی بالادستی، عدل وانصاف کی فراہمی اور فلاحی معاشرے کے قیام پر زور دیا، وہیں ریاست کے خارجہ معاملات میں بھی انسانیت کی حفاظت اور امن وسلامتی کو ترجیح اول بنایا۔ آپؐ نے اپنے سماج اور اپنی خارجہ پالیسی میں رواداری، امن اور سلامتی کے بین الاقوامی معاہدوں کو بنیاد بنایا۔ آپؐ نے انسانوں کو تقسیم کرنے کی بجائے ملتِ آدم کے قیام پر توجہ مرکوز رکھی۔ اگر کسی ناگزیر جنگ کا سامنا کرنا پڑا تو اس میں سے امن وسلامتی کے سارے ممکنہ ذرائع کو پہلی ترجیح دی۔

مکی زندگی میں تشدد اور ظلم کے مقابلے میں صبر اور برداشت کا دامن نہیں چھوڑا۔ قریش مکہ کے رویے کے خلاف کسی پر تشدد ردِعمل کی بجائے ہجرت کا راستہ اختیار کیا اور فتح مکہ کے موقع پر عفو ودرگزر اور امان دینے کے اصولوں کی مدد سے انسانیت کو جنگ کے خوفناک نتائج سے بچالیا۔

حضرت محمدؐ نے ۶۲۲ء میں مدینہ میں جو اسلامی ریاست قائم کی وہ دس سال کے عرصے میں تین مربع میل کے رقبے سے بڑھ کر دس لاکھ مربع میل تک وسعت اختیار کر گئی۔ ۶۳۲ء میں حضرت محمدؐ کے وصال کے بعد، اس ریاست نے خلافتِ راشدہ کے نام سے ترقی پانا شروع کی۔ اردگرد کے جبر واستبداد سے تنگ آئے ہوئے معاشرے خلافتِ راشدہ کا حصہ بنتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اسلامی ریاست دنیا کے تین براعظموں تک اپنے اثرات رکھنے والی ایسی ریاست بن گئی جس کا رقبہ ۳۰ لاکھ مربع کلومیٹر سے تجاوز کر گیا۔ یہ ریاست مکمل طور پر مذہب کی بنیاد پر قائم ہونے اور نشوونما پانے والی ریاست تھی۔ اس ریاست کی بنیاد ہی مذہب اسلام کو مکمل کرنے والے خاتم النبیینؐ نے رکھی تھی۔ لہٰذا یہاں ریاست ومذہب ایک ہی چیز کے دونام تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دینِ اسلام محض پوجا پاٹ کے چند طریقوں کا مجموعہ نہیں ہے۔

بلکہ اس نے تمام شعبہ ہائے زندگی کے لئے اصول وضوابط مہیا کئے ہیں۔

مدینہ کی اسلامی ریاست اس لحاظ سے دنیا کی منفرد ریاست ہے کہ وہ رسولِ خداؐ کے ہاتھوں قائم ہوئی۔ اس ریاست کے قیام میں رسولِ خداؐ کی دعائیں، جدوجہد، خدائی رضا اور عوام کی رغبت نے بنیادی کردار ادا کیا۔ گویا یہ ایک انسانی معاشرے کا اپنے رب کے ساتھ، رسولِ خداؐ کے ذریعے قائم ہونے والا رضا کارانہ سماجی معاہدہ تھا۔ جو پاکیزہ مقاصد کی بنیاد پر استوار ہوا اور پاکیزہ نتائج پر منتج ہوا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز

منال محمود (پنجم ایس)

ایک رات حسب معمول خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ مدینے کا گشت کر رہے تھے کہ ایک دیوار کے کنارے تھک کر بیٹھ گئے۔ ایک گھر کے اندر ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی کہ اٹھ کر دودھ میں پانی ملا دو، لیکن لڑکی نے کہا کہ امیر المومنین نے منادی کرادی ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے۔ ماں نے کہا کہ اس وقت عمرؓ اور اس کے منادی کرانے والے دیکھ نہیں رہے، تم دودھ میں پانی ملا دو۔ لڑکی نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں امیر المومنین کی اطاعت کروں اور تنہائی میں ان کی نافرمانی کا داغ اپنے دامن پر لگاؤں''۔

حضرت عمرؓ نے یہ تمام گفتگو سنی اور صبح اپنے صاحبزادے حضرت عاصمؓ کو اس عورت اور لڑکی کا پتا لگانے کے لیے بھیجا۔ معلوم ہوا کہ ماں بیوہ ہے اور لڑکی کی ابھی شادی نہیں ہوئی۔ حضرت عمرؓ کی خواہش پر ان کے صاحب زادے حضرت عاصمؓ نے اس لڑکی سے شادی کی۔ اس سے ان کی بیٹی ام عاصم پیدا ہوئی۔ اسی ام عاصم کے صاحبزادے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تھے، جو 61ھ میں مدینے میں پیدا ہوئے۔ وہ تاریخ اسلام میں نبو اُمیہ کی عظیم علمی شخصیت اور مضبوط کردار کے حامل خلیفہ رہے ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پر نانا ہوئے۔ حضرت عمرؒ کے والد عبدالعزیز مصر کے گورنر تھے۔ حضرت عمرؒ نے بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا پھر عربی زبان اور شعر و شاعری کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد انہوں نے حدیث کا علم حاصل کیا۔ ان کے ولد عبدالعزیزؒ کے انتقال کے بعد ان کے چچا عبدالمطلب نے اپنی لڑکی فاطمہ سے ان کی شادی کرادی۔ 87ھ میں انہیں مدینہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ انہوں نے اپنے دور میں مسجد نبویؐ کی از سر نو تعمیر کروائی اور اسے خوبصورتی سے مزین کرایا۔ ایک روز انہیں ایک مجرم کو سخت سزا دینے کا حکم ملا۔ انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی سخت سزا دلوائی۔ بعد میں وہ مجرم سزا کی تاب نہ لا کر مر گیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کی پریشانی دیدنی تھی۔ انہوں نے اس پشیمانی میں گورنر کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ ایک بار خلیفہ سلیمان بن الملک سفر پر نکلے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی ان کے ہمراہ تھے۔

حضرت عمرؓ نے اپنا سامان پہلے سے نہیں بھجوایا۔ منزل پر پہنچنے کے بعد ہر شخص اپنے اپنے خیمے میں چلا گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کہیں نظر نہ آئے۔ خلیفہ نے تلاش کرایا تو وہ ایک درخت کے نیچے اس حال میں ملے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ خلیفہ سے دریافت کیا کہ رونے کی کیا بات ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''مجھے رونا اس بات پر آ رہا ہے کہ کل قیامت کے دن کیا ہوگا؟'' آج ہم نے جو چیز بھیجی وہ ہمیں مل گئی۔ اسی طرح ہم دنیا میں رہ کر اچھے اعمال بھیجیں گے تو وہ ہمیں قیامت کے دن ملیں گے۔''

جب سلیمان بن عبدالعزیز کا انتقال ہوا تو ان کی وصیت کے مطابق 99ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے۔ اس بار خلافت کے بوجھ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نڈھال تھے۔ ان کے دور کا سب سے بڑا اور قابل قدر کام یہ رہا کہ انہوں نے اموی خلفاء کی جانب سے عوام کی مال و دولت کے ہتھیانے کا سختی سے نوٹس لیا اور انہیں اصل مالکان تک پہنچانے کے لیے اقدامات کیے۔ اس مرحلے پر انہیں کافی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر ان کے عزم اور حوصلے میں کوئی کمی نہ آئی۔ انہیں بغاوت کا بھی ڈر رہا۔ مگر انہوں نے اس کی بھی پرواہ نہ کی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی جاگیریں بھی ان کے اصل مالکان کو واپس کر دیں۔ انہوں نے خلیفہ بننے کے ساتھ ملنے والے بیش قیمتی لباس اور عطر بھی بیت المال میں جمع کرا دیے۔ حالانکہ اس سے پہلے اموی خلیفہ شاہانہ لباس کا استعمال کرنا اور مہنگی خوشبوئیں لگانا اپنا حق سمجھتے تھے۔ خلیفہ بننے سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی نفیس لباس پہنتے تھے۔ وہ اپنے زمانے میں سب سے زیادہ خوش لباس انسان سمجھے جاتے تھے۔ جب مسلمانوں کے خلیفہ بنے تو اللہ کے خوف نے ان کے اندر یہ تبدیلی پیدا کر دی وہ سادگی پسند ہو گئے اور اپنا کام خود کرنے لگے۔ ان کے دور کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بیوہ عورت کی پانچ بیٹیاں تھیں۔ وہ ان کی شادی کی فکر میں لگی رہتی۔ وہ کسی امید کے سہارے خلیفہ کے دروازے تک آئی۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ دروازے پر کوئی نگران نہیں موجود تھا۔ وہ بڑی آسانی سے خلیفہ کی بیوی تک جا پہنچی۔ وہ اپنی حاجت بیان کرنے لگی کہ اسی دوران ایک آدمی گھر میں آیا۔ گھر کے کنویں میں ڈول ڈال کر پانی نکالا اور یہ پانی برابر میں رکھی مٹی پر ڈالنے لگا۔ وہ عورت ایک طرف ہوگئی اور اس نے خلیفہ کی بیوی سے بھی کہا کہ اس آدمی سے پردہ کر لیں، وہ آپ کو ہی دیکھے جا رہا ہے۔ خلیفہ کی بیوی کے جواب میں اس بیوہ عورت کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، انہوں نے کہا: '' یہ میرے شوہر اور امیر المومنین ہیں۔'' اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حکومت روم سے دیوار چین تک اور اندلس کے آخری گوشے سے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ بعد میں امیر المومنین کام سے فارغ ہوئے تو اس عورت کے متعلق پوچھا اور اسی کی غرض کے مطابق گورنر عراق کے نام اس کی بیٹیوں کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا۔ یہ تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور حکومت کا ایک انداز، جو اتنا روشن اور صاف ہے کہ انہیں پانچواں خلیفہ راشد بھی کہتے ہیں۔

عبدالستارایدھی (پاکستان کا افتخار)

معروشہ طارق خاں (دہم ج)

عبدالستارایدھی یکم جنوری ۱۹۲۸ء میں بھارت کی ریاست گجرات کے شہر بنتوا میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے والد کپڑے کے تاجر تھے آپ متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے ۔ وہ پیدائشی لیڈر تھے ۔ جب ان کی والدہ انہیں سکول جاتے وقت دو پیسے دیتی تھی تو وہ ایک پیسہ خرچ کر لیتے اور ایک پیسہ کسی ضرورت مند کو دے دیتے ۔ گیارہ سال کی عمر میں ان کے والدہ شدید قسم کے ذیابیطس میں مبتلا ہوگئیں اور آپ نے دن رات اپنی والدہ کی دیکھ بھال اور خدمت کی یعنی وہ چھوٹی عمر سے ہی جذبہء خدمت سے سرشار تھے ۔

عبدالستارایدھی انتہائی سادہ انسان تھے اور یہ سادگی ان کے کپڑوں میں ہی نہیں بلکہ ان کی باتوں سے بھی جھلکتی تھی ۔ سب سمجھتے ہیں کہ وسیع پیمانے پر کام کرنے میں انہیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے مگر آپ جیسے شکایت کرنا جانتے ہی نہ ہوں ۔ عبدالستارایدھی کہتے ہیں کہ پاکستانی عوام نے ہمیشہ ان کے ساتھ تعاون کیا ہے اور انہوں نے پاکستانیوں کے علاوہ کبھی کسی سے چندہ نہیں لیا ۔

پاکستان میں ایدھی فاؤنڈیشن کا آغاز صرف پانچ ہزار روپے سے ہوا ۔ اس کام کا آغاز صرف ایک کمرے سے ہوا جو آج ملک بھر میں پھیلا ہوا ہے ۔ یہ ایک غیر منافع بخش ادارہ ہے اور فلاحی سرگرمیوں کے لیے اس کا دائرہ کار پاکستان میں سب سے وسیع ہے ۔ یعنی ہر بڑے چھوٹے شہر اور دیہات غرض کہ پاکستان کے کونے کونے میں ایدھی سرگرمیوں کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے ۔ پاکستان کے علاوہ بعض دیگر ممالک میں بھی ان کے فلاحی کام جاری ہیں ۔ تاہم ان کاموں کا آغاز پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی سے ہوا ۔ تقسیم ہندوستان کے بعد ایدھی نے چند فلاحی تنظیموں کے ساتھ مل کر لوگوں کی مدد کرنا شروع کی ۔ انہوں نے بعد ازاں اپنے بل بوتے پر فلاحی سرگرمیوں کو جاری رکھا اور 1951ء میں ایک کلینک کی بنیاد رکھی ۔ اس وقت یہ کام صرف پانچ ہزار روپے سے شروع ہوا ۔

آج ان کے ساڑھے تین ہزار کارکن اور ہزاروں رضا کار 24 گھنٹے بغیر کسی وقفے کے عوام الناس کی خدمت میں مصروف

ہیں۔ ساتھ ہی ملک بھر میں ان کے 250 مراکز ہیں جہاں لاوارث میتوں کے لیے مفت تدفین کی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں جبکہ معذور، یتیم اور لاوارث بچوں کی نگہداشت کے مراکز چلائے جارہے ہیں جن میں یتیم بچوں کی تعداد 50 ہزار ہے جبکہ ایدھی مراکز کے باہر رکھے گئے جھولوں کے ذریعے 20 ہزار سے زائد شیر خوار بچوں کو بچایا جاچکا ہے۔ مفت ہسپتال، ڈسپنسریاں، منشیات کے عادی افراد کی بحالی، مفت ویل چیئرز، بیساکھیاں اور معذوروں کے لیے دیگر سہولیات بھی ایدھیفاؤنڈیشن کی سرگرمیوں میں شامل ہیں۔

اس فاؤنڈیشن کے تحت چلنے والی ایمبولینس سروس کے ذریعے سالانہ دس لاکھ سے زائد افراد کو ہسپتال میں منتقل کیا جاتا ہے ۔ یہی نہیں ایدھی فاؤنڈیشن کے پاس ہنگامی حالات میں استعمال کے لیے فضائی ایمبولینس سروس بھی موجود ہے جس کے ذریعے اس کے رضا کار ملک کے کسی بھی دور دراز علاقے میں فوری رسائی رکھتے ہیں۔ فاؤنڈیشن کے پاس ایئر ایمبولینس کے طور پر دو چھوٹے طیارے ہیں اور دو ہیلی کاپٹر آئندہ دو سال میں حاصل کیے جائیں گے ۔ لاوارث میتوں کی تدفین اور زیادتی کا شکار ہونے والی خواتین کے لیے مراکز، محروم طبقے کے لیے تربیتی ایدھی فاؤنڈیشن کے چند دیگر خدمات گزار ہیں۔

اس فاؤنڈیشن کے کاموں کا دائرہ کار بیرون ملک بھی پھیلا ہے۔ اس فاؤنڈیشن کے تحت نیویارک، ڈھاکہ، ٹوکیو، سڈنی، لندن اور دبئی میں بھی خدمات فراہم کی جارہی ہیں جبکہ افغانستان، بھارت، سری لنکا، یمن اور روس میں خدمات کی فراہمی کے لیے کام جاری ہے۔ پاکستان میں ہر ایک سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہسپتال بنانا، بڑے شہروں سے لے کر چھوٹے شہروں اور دیہات میں مراکز کا قیام، منشیات کے عادی افراد کے لیے ایک بال پوائنٹ مینوفیکچرنگ فیکٹری لگانا جس کی تمام تر آمدنی ان کی بحالی پر خرچ کی جائے گی، ایدھی فاؤنڈیشن کے مستقبل کے منصوبے ہیں۔

انسانیت کے لیے بے لوث خدمات پر انہیں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر متعدد ایوارڈز سے نوازا گیا ہے۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں پاکستانی حکومت نے انہیں ستارہ امتیاز سے نوازا۔ پاکستانی فوج نے شیلڈ آف آنر سے نوازا۔ ۱۹۹۲ء میں سندھ حکومت نے انہیں سوشل ورکر آف سب کونٹی ننیٹ کا اعزاز دیا۔ بین الاقوامی سطح پر ۱۹۸۶ء میں عبدالستار ایدھی کو فلپائن نے Ramon Magsaysay Award دیا۔ ۱۹۹۳ء میں روٹری انٹرنیشنل فاؤنڈیشن کی جانب سے انہیں پاؤل ہیرس فیلو دیا گیا۔ ۱۹۸۸ء میں آرمینیا میں زلزلہ زدگان کے لیے خدمات کے صلے میں انہیں امن انعام برائے یوایس ایس دیا گیا۔

پاکستان میں بیشتر لوگوں کا ماننا ہے کہ عبدالستار ایدھی نوبل انعام کے بھی حقدار ہیں۔ اس بارے میں کراچی میں ذرائع ابلاغ کے ماہر پروفیسر نثار زبیری کا کہنا ہے کہ کچھ برس پہلے کراچی یونیورسٹی نے عبدالستار ایدھی کو نوبل انعام دینے کی تحریری سفارش کی

تھی۔

پاکستان کا افتخار عبدالستار ایدھی گردوں کے عارضے میں مبتلا تھے سندھ انسٹیٹیوٹ آف یورالوجی میں زیر علاج رہے ۔ عبدالستار ایدھی کو حکومت پاکستان نے بیرون ملک علاج و معالجے کی پیشکش کی مگران کی حب الوطنی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے یہ کہہ کر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا ہے کہ میرا جینا مرنا سب پاکستان کے ساتھ ہے۔کافی عرصہ بیمار رہنے کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اللہ تعالیٰ ان کے مقام کو بلند کرے۔(آمین)

انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا

صفورا عامر (استاد)

سقراط حکیم نے کیا خوب لطیفہ کہا ہے کہ اگر تمام اہل دنیا کی مصیبتیں ایک جگہ لا کر ڈھیر کر دیں تو جو لوگ اب اپنے تئیں بدنصیب سمجھ رہے ہیں وہ اس تقسیم کو مصیبت اور پہلی کو غنیمت جانیں گے۔

ایک اور حکیم اس لطیفہ کے مضمون کو اور بھی بالاتر لے گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ہم اپنی اپنی مصیبتوں کو آپس میں بدل بھی سکتے تو پھر ہر شخص اپنی پہلی ہی مصیبت کو اچھا لگے گا۔

میں ان دونوں خیالوں کو وسعت دے آیا اور بے فکری کے تکیے سے لگا بیٹھا تھا کہ نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ سلطان الافلاک کے دربار سے ایک اشتہار جاری ہوا ہے۔ خلاصہ جس کا یہ ہے "تمام اہل عالم اپنے رنج وغم اور مصائب وتکالیف کو لائیں اور ایک جگہ ڈھیر لگا دیں"۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ایک میدان کہ میدان خیال سے بھی زیادہ وسیع تھا۔ تجویز ہوا اور لوگ آنا شروع ہوئے۔ میں بیچ وبیچ کھڑا تھا اور ان کے تماشے کا لطف اٹھا رہا تھا کہ ایک کے بعد ایک آتا اور اپنا بوجھ سر سے پھینک جاتا لیکن جو بوجھ گرتا ہے مقدار میں اور مقدار میں اور بھی اضافہ ہو جاتا یہاں تک کہ وہ مصیبتوں کا پہاڑ بادلوں سے بھی اونچا ہو گیا۔

ایک شخص سوکھا سہا دبلا پے کے مارے فقط ہوا کی حالت ہو۔ اس انبوہ میں نہایت چالاکی اور پھرتی سے پھر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک آئینہ تھا جس میں دیکھتے ہی شکل نہایت بڑی معلوم ہونے لگتی ہے۔ وہ ایک ڈھیلی ڈھالی پوشاک پہنے تھا جس کا دامن دامنِ قیامت سے بندھا ہوا تھا۔ اس پر دلوزادوں اور جنات کی تصویر زردوزی (سلمے ستارے سے) کھڑی ہوئی تھیں اور جب وہ ہوا سے لہراتی تھیں تو ہزاروں عجیب وغریب صورتیں اس پر نظر آتی تھیں۔ اس کی آنکھ وحشیانہ تھی مگر نگاہ میں افسردگی تھی اور اس شخص کا نام "وہم" تھا۔ ہر شخص کا بوجھ بندھواتا اور لدھواتا تھا اور مقررہ مقام پر لے جاتا تھا۔ اس عالم میں چند شخصوں کی حالت ایسی نظر آئی کہ اس نے ذرا میرا دل بہلایا۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص پرانے سے چکلن کے چغہ میں ایک بھاری سی گٹھری لئے آتا ہے۔ جب وہ گٹھری انبار میں پھینکی تو معلوم ہوا کہ افلاس کا عذاب تھا۔ اس کے

پیچھے ایک اور شخص دوڑتا ہوا آتا ہے۔ بدن سے پسینہ بہتا تھا اور مارے بوجھ کے ہانپتا جاتا ہے۔ اس نے بھی وہ بوجھ سر سے پھینکا اور معلوم ہوا کہ اس کی جورو ہے۔ اس نے وہ بلا سر سے پھینکی ہے۔

ان کے بعد وہ ایک بڑی بھیڑ آئی کہ جس کی تعداد کا شمار نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ عاشقوں کا گروہ ہے۔ ان کے سر پر درد و آہ کی گٹھریاں تھیں کہ انہی میں آہوں کے تیر خالی اور نالوں کی نیزہ و بالی دبے ہوئے تھے۔ اگر چہ یہ لوگ مارے بوجھ کے اس طرح درد سے آہیں بھرتے پھرتے تھے کہ گویا اب ان کے سینے پھٹ جائیں گے لیکن تعجب یہ ہے کہ جب اس انبار کے پاس آئے تو اتنا نہ ہو سکا کہ ان بوجھوں کو سر سے پھینک دیں۔ کچھ کچھ جدوجہد سے سر ہلا مگر جس طرح لوہے ہوئے آئے تھے۔ اسی طرح واپس چلے گئے۔

بہت بوڑھیاں دیکھیں کہ بدن کی جھریاں پھینک رہی تھیں۔ چند نوجوان اپنی کالی سنگت، کچھ موٹے ہونٹ اکثر اپنے میل جمے دانت پھینک رہے تھے کہ جنہیں دیکھ کر شرم آتی تھی۔ مگر مجھے حیرت تھی کہ اس پہاڑ میں سب کے جسمانی عیب تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی پیٹھ پر بھاری سے بھاری اور بڑے سے بڑا بوجھ ہے مگر خوشی خوشی اٹھائے چلا آتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ایک کبڑا ہے اور آدم زاد کے انبارِ رنج وغم میں اپنے کبڑے پن کو پھینکنے آیا ہے اور اس کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی مصیبت نہیں۔ اس انبار میں انواع واقسام کے سقم اور امراض بھی تھے۔ جن میں بعض اصلی تھے اور بعض غلط فہمیوں نے خوامخواہ انہیں امراض سمجھ لیا تھا۔ مگر میں فقط ایک بات پر حیران تھا کہ اتنے بڑے انبار میں کوئی بے وقوفی یا بداطواری بڑی دکھائی نہیں دیتی تھی

جب تمام بنی آدم اپنے اپنے بوجھوں کا وبال سر سے اتار چکے تو میاں وہم مجھے الگ کھڑا دیکھ کر سمجھے کہ یہ شخص خالی ہے۔ چنانچہ اس خیال سے میری طرف جھکے۔ ان کو اپنی طرف آتے دیکھ کر میرے حواس اڑ گئے مگر انہوں نے جھٹ اپنا آئینہ سامنے کیا۔ مجھے میرا منہ اس میں ایسا چھوٹا معلوم ہوا بے اختیار چونک پڑا برخلاف اس کے بدن اور قد و قامت ایسا چوڑا نظر آیا کہ جی بیزار ہو گیا اور ایسا گھبرایا کہ چہرے کو نقاب کی طرح اتار کر پھینک دیا اور خاص خوش نصیبی اس بات کو سمجھا کہ ایک شخص نے اپنے چہرے کو بڑا اور اپنے بدن کو ناموزوں سمجھ کر اتار پھینکا تھا۔ یہ چہرہ حقیقت میں بہت بڑا تھا یہاں تک کہ فقط اس کی ناک میرے سارے چہرے کے برابر تھی۔

ہم اس انبوہ پر آفات پر غور سے نظر کر رہے تھے کہ اس عالم پیولانی کی ایک ایک بات کو تاک کر دیکھ رہے تھے۔ جو سلطان افلاک کی بارگاہ سے حکیم پہنچے کہ اب سب کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہیں۔ اپنے رنج و تکلیف تبدیل کر لیں اور اپنے اپنے بوجھ لے کر گھروں کو چلے جائیں۔ یہ سنتے ہی میاں وہم پھر مستعد ہوئے اور بڑی ترت پھرت سے اس انبارِ عظیم کے بوجھ باندھ باندھ کر تقسیم کرنے لگے۔ ہر شخص اپنا اپنا بوجھ سنبھالنے لگا اور اس طرح کی دھکم پیل ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ چنانچہ اس وقت چند باتیں جو میں

نے دیکھیں۔ وہ بیان کرتا ہوں۔ایک پرمرد کہ نہایت معذور معلوم ہوتا تھا۔ دردقولنج سے جاں بلب تھا اور لاولدی کے سبب سے اپنے مال واملاک کے لئے ایک خوبصورت وارث چاہتا تھا۔ اس نے دادمذکور کو پھینک کرایک خوبصورت لڑکے کولیا مگر اس لڑکے کو اس نافرمانی اورخودسری کے سبب سے دق ہوکراس کے باپ نے چھوڑا تھا۔ چنانچہ اس نالائق نوجوان نے آتے ہی جھٹ بڈھے کی داڑھی پکڑی اور سرتوڑنے کو تیار ہوگیا۔ اتفاقاً لڑکے کا حقیقی باپ برابر ہی میں نظر آیا کہ اب وہ دردِقولنج کے مارے لوٹنے لگا۔ چنانچہ بڈھے نے کہا کہ برائے خدا میرا دردِقولنج مجھے پھیردیں اور اپنا لڑکا واپس لے لیں۔ میرا پہلا عتاب اس سے بہتر ہے مگر مشکل یہ ہوئی کہ یہ مبادلہ اب پھر نہ ہوسکتا تھا۔

غرض اسی طرح کئی لوگ تھے کہ اپنی اپنی حالت میں گرفتار تھے اوراپنے کئے پر پچھتاتے تھے مثلاً کسی بیمار نے افلاس لے لی تھی ۔وہ اس سے ناراض تھا۔ایک شخص نے فکر سے دق ہوکراسے چھوڑا تھا۔اب وہ دادِجگر کا مارالوٹ رہا تھا۔

عورتیں بے چاری اپنے اپنے ادل بدل کے عذاب میں گرفتار تھیں۔کسی نے سفید بالوں کو چھوڑا تھا مگراب پاؤں میں ایک پھوڑا ہوگیا تھا کہ لنگڑاتی تھی اور ہائے ہائے کرتی تھی۔ کسی کی کمر بہت پتلی تھی مگر چونکہ سینہ اور بازو بھی دبلے تھے۔اس لئے پتلی کمر کو چھوڑا تھا۔اب گول گول بازوؤں کے ساتھ بڑی سی توندنکالے چلی آتی تھی۔ان سب کی حالتوں کو دیکھ کر یہ میری سمجھ میں آگیا کہ جو مصیبت ہم پر پڑتی ہے وہ حقیقت میں ہماری سہار کے موجب ہوتی ہے یا یہ بات کہ سہتے سہتے ہمیں ان کی عادت ہوجاتی ہے۔ مجھے اس بڈھے کے حال پرنہایت افسوس آیا کہ ایک خوبصورت سجیلا جوان بن کر چلا مگر گردے میں پتھری ہوگئی کہ اب بھی سیدھی طرح نہ چل سکتا تھا۔

جب سب کے مبادے بیان کئے ہیں تو اپنے مبادے سے بھی مجھے صاف نہ گزرنا چاہیے۔ چنانچہ اس کی صورتِ حال یہ ہے کہ بڑے چہرے والے یار میرے چھوٹے چہرے کو لے کرایسا بدنما معلوم ہونے لگے کہ جب میں نے ان کی طرف دیکھا تو اگرچہ میرا یہی چہرہ تھا مگر میں ایسا بے اختیار ہنسا کہ میری اپنی صورت بگڑ گئی اورصاف معلوم ہوا کہ وہ بے چارا میرے ہنسنے سے شرما گیا مگر مجھے بھی اپنے حال پر کچھ فخر کی جگہ نہ تھی۔ کیونکہ جب میں اپنے پیشانی سے عرق ندامت پونچھنے لگا تو وہاں تک میرا ہاتھ نہ پہنچ سکا۔ چہرہ اتنا بڑا ہوگیا تھا کہ ہاتھ رکھتا کہیں تھا مگر جا کہیں پڑتا تھا۔ناک اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ جب چہرے پر ہاتھ پھیرا تو کئی دفعہ ہاتھ نے ناک سے ٹکر کھائی۔غرض سارا۔۔۔عورتوں اورمردوں میں تقسیم ہوگیا۔مگرلوگوں کا یہ حال تھا کہ دیکھنے سے ترس آتا تھا یعنی جان سے بیزار تھے اوراپنے اپنے بوجھوں تلے دبے ہوئے اوپر تلے دوڑے پھرتے تھے۔سارا میدان گریہ وزاری ، نالہ وفریاد، آہ و افسوس سے دھواں دھار ہورہا تھا۔آخر سلطان الافلاک کو بے کس

آگہی

آدم زاد کے حالِ دردناک پر رحم آیا اور حکم دیا کہ اپنے اپنے بوجھ اتار کر پھینک دیں۔ اتنے میں دوسرا حکم آیا کہ "وہم جس نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا وہ شیطان نابکار یہاں سے دفع ہو جائے"۔اس کی جگہ ایک فرشتہ رحمت آسمان سے نازل ہوا۔اس کی حرکات و سکنات نہایت معقول و باوقار تھیں اور چہرہ بھی سنجیدہ اور خوشنما تھا۔ اس نے بار بار اپنی آنکھوں کو آسمان کی طرف اٹھایا اور رحمتِ الٰہی پر توکل کر کے نگاہ کو اسی کی آس پر لگا دیا۔اس کا نام "صبر و تحمل" تھا۔ پھر اس نے ہر ایک کو اس کا اصلی اور واجبی بوجھ اٹھا کر دینا شروع کر دیا اور ایک ایک کو سمجھاتا کہ نہ گھبراؤ اور بردباری کے ساتھ اٹھو۔ ہر شخص اپنا بوجھ سہتا تھا اور راضی و رضامند چلا جاتا تھا۔ساتھ ہی اس کا شکریہ ادا کرتا کہ آپ کی عنایت سے ہمیں اس انبارِ لاانتہا میں سے اپنا بارِ مصیبت چننا پڑا۔

ٹیپو سلطان

فاطمہ زماں (پنجم ایس)

آج بھی ہندوستان کے علاقے میسور میں موجود مسجدِ اعلیٰ اس "شیر کی یاد دلاتی ہے جو کبھی میسور کے تخت پر براجمان تھا اور اس کا دور اس ریاست کی خوشحالی کا ایسا دور تھا جو آج خواب و خیال کی باتیں محسوس ہوتی ہیں۔ یہ مسجد میسور کے حکمران، سلطان ٹیپو نے بنائی تھی۔ جس کا اصل نام فتح علی تھا۔ سلطان ٹیپو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ آٹھ سال کا تھا تو اس وقت کسی بزرگ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا تھا کہ تم ایک دن میسور کے بادشاہ بنو گے۔ جب ایسا ہو جائے تو اس جگہ ایک مسجد ضرور تعمیر کرانا۔ سلطان ٹیپو نے حکمران بنتے ہی یہ وعدہ پورا کیا۔ اس سے قبل ریاست کا حاکم اس کا والد حیدر علی تھا۔ حیدر علی، دراصل میسور کا بانی اور پہلا حکمران تھا۔ حیدر علی کے والد ایک لڑائی میں مارے گئے تھے۔ اس کے بعد وہ سرنگا پٹم اپنے چچا کے پاس آ گیا۔ اس وقت حیدر علی کی عمر کم تھی۔ اس نے اپنے چچا سے فن سپہ گری سیکھی اور پھر راجہ میسور کی ملازمت اختیار کر لی۔ 1755 ء میں وہ فوج کے سپہ سالار بنے اور پھر انہوں نے راجہ کو نااہلی کے سبب معزول کر کے خود ریاست کے حکمران بن گئے۔ انہوں نے حسنِ تدبر سے ریاست کو توسیع دی اور انصاف قائم کیا۔ انہوں نے انگریزوں سے دو بڑی جنگیں لڑیں۔ پہلی جنگ میں انہیں شکست ہوئی، جبکہ دوسری جنگ میں انہوں نے انگریزوں کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا۔ دسمبر 1784ء میں ان کا انتقال ہوا تو اس وقت ان کے فرزند فتح علی ٹیپو کی عمر فقط 32 سال تھی۔ باپ کے بعد وہ تخت نشین ہوا۔ تاریخ اسے "سلطان ٹیپو" کے نام سے یاد کرتی ہے۔

نورِ کبریائی کا مظہر مدینہ منورہ

ڈاکٹر اسماء حیات

دنیا میں کوئی اور ایسا شہر ہے جہاں آپ جب جائیں وہ آپ کا پہلی بار آنے والے مہمان کے لئے مخصوص گرد کر مجوشی سے استقبال کرے؟

وہاں کی ہوا، صدا، مزاج سب آپ کی پذیرائی کریں؟

نہیں یاد کہ میں کتنی بار مدینہ آئی ہوں/بلائی گئی ہوں۔

بس یہ جانتی ہوں کہ ہر بار احساس ہوتا ہے کہ رواج رائج الوقت، ہمہ وقت، رحمت ہے۔

اس شہر کا مزاج، غناء ہے۔

یہ صرف مدینہ نہیں، حقیقتاً مدینہ منورہ ہے۔

شفقت سے منور، نور کبریائی کا مظہر

رحمت اللعالمین کا شہر

دیکھتی ہوں تو روضہ رسول ﷺ پر مجروح شدہ، زخم خوردہ روحیں اکٹھی ہوتی ہیں۔ اشخاص اور ادوار کی شکار، گھبرائی ہوئی ارواح۔

اپنا ہر چھوٹا بڑا غم ایک پوٹلی میں بھر کر سب ہی لے آتے ہیں اور درِ نبی ﷺ پر آ کر فریاد کرنے لگتے ہیں۔ کبھی تو کئی آوازیں کان میں پڑتی ہیں۔

"یا انیس الغریبین"

مجھے اولاد نہیں ہوتی

یا رسول اللہ!

"میرا بیٹا نہیں ہوتا"

"میری ساس کا رویہ اچھا نہیں"

"میری بیٹی کی شادی نہیں ہوتی"

"میرا شوہر توجہ نہیں دیتا"

"میری بہو اچھی نہیں"

"مجھے نوکری نہیں ملتی"

"میرا بچہ / خاوند / پیارہ بیمار ہے"

"میرے پاس رہنے کو گھر نہیں"

"میرے جوڑوں میں درد ہے"

"روزی کا کوئی مستقل انتظام نہیں"

"مجھے کوئی پیار نہیں کرتا"

"میرا سب کچھ لٹ گیا"

"جنگ وجدل سے بچا لیجیے"

کچھ لوگ حق وباطل کی جہدِ مسلسل سے گھبرا کر بھی بھاگ آتے ہیں۔ دنیا ان کی سمجھ سے باہر ہوتی ہے تو یہاں بھاگے آتے ہیں۔قرب کی تلاش میں، آگہی کے کچھ اپنے رنج آنسوؤں کی مالا میں پرو کر لاتے ہیں، چند واویلا کرتے ہیں، کچھ عقیدت سے نہ تو نظر بلند کر پاتے ہیں نہ آواز۔

پرسنی سب کی جاتی ہے۔شنوائی سب کی ہوتی ہے۔کسی کو دھتکارا نہیں جاتا۔کسی کی فریاد رد نہیں ہوتی۔کوئی نہیں کہتا "لو! یہ بھی کوئی بات ہوئی بھلا!"

وہ جو شفیق باپ تھے، نانا تھے، دوست تھے، کیونکر خالی لوٹا سکتے ہیں۔۔۔۔۔

وہ جو کئی دن روزہ رکھ کر بھی افطار کی مٹھی بھر کھجور سائل کو دے دیتے تھے وہ ہمیں مایوس و تہی دامن کیسے جانے دیں گے؟

ریاض الجنہ سے نکلتے ہوئے اکثر سائلین کی پلکیں بھیگی ہوتی ہیں اور روح سرشار۔

وہی مشکل جس کی وجہ سے گھبرا کر اس شہر میں پناہ کی جانب بھاگتے تھے، یوں لگتا ہے ذریعہ نجات بن جائے گی، مظلوموں کی سنی جاتی ہے، سلام کا جواب آتا ہے، حاضری لگ جاتی ہے، شفاعت کا وعدہ ملتا ہے، ہمت اور حوصلے کے انبار تحفتاً، ردائے ایمان میں لپیٹ کر اطمینان قلب، ساتھ کیے جاتے ہیں۔

مہمان نوازی ایسی ہوتی ہے کہ موجیں ہو جاتی ہیں۔

کوئی کھجور دیتا ہے، کوئی قہوہ، دوکاندار پیسے کم ہونے کے باوجود دوا کی بوتل ہاتھ میں دے کر کہتا ہے "لے جاؤ مہمان ہو"۔ ملائم مسکراہٹیں ہر جانب، جیسے سب آپ کے عزیز ہوں جیسے آپ کے آنے پر شہر رحمت خوش ہو۔

سہارا مل جاتا ہے، ہمت جمع کر کے آپ پھر دنیا کا سامنا کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

آنسو تھمتے نہیں، پر مسکراہٹ لوٹ آتی ہے۔ لگتا ہے، کوئی ہے جو سمجھ گیا ہو، یہی تسلی کیا کم ہے؟!

خود اعتمادی اُمڈ آتی ہے۔قدم جما لو، ہماری بھی خوب تگڑی سفارش تیار ہوگئی ہے۔

یہاں سے جانے کو دل نہیں چاہتا مگر ذمہ داریوں کا سمندر منتظر ہے۔

اور لوٹ کے آنے کی راحت پانے کے لیے، جانا تو پڑے گا۔

یا شفیع المذنبین۔ پھر حاضری کی امید میں رہیں گے۔

اجازت کی درخواست پر رضا مندی اور قبولیت کی مہر لگاتے رہیے گا۔

پھر ملیں گے اے شہرِ نور!

وصل نو کی امید رہی۔ انشاءاللہ!

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبیؐ یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہِ وسلموا تسلیما۔

خدا نیا کرنے والا ہے

ندیم جون (استاد)

زندگی میں خدا نے ہماری بھلائی کی ہے ۔ہمیں دکھانا چاہتا ہے۔ جو ہم نے نہیں دیکھا۔ دلچسپ اور نرالی بات وہ آپ کو بھلائی دکھانا چاہتا ہے۔ کچھ لوگ اپنے لفظوں سے اپنی زندگی کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔صبح سویرے اٹھتے ہی خود فیصلہ کر لیتے ہیں کہ آج میرا دن اچھا نہیں گزرے گا یا یہ کہ میں کبھی کامیاب نہیں ہو پاؤں گا ۔ مجھے زندگی میں کبھی Breaks نہیں ملیں گی۔ میرے لئے کبھی اچھا نہیں ہوگا۔ یا یہ کہ میں کبھی اپنے خواب نہیں جی پاؤں گا۔ ہماری زندگی کا فیصلہ ہم خود نہیں کر سکتے۔ یہ حق صرف خدا کے پاس ہے۔ خود پر احسان کریں اور اعلان کریں۔ خدا سے حد سے زیادہ لگاؤ رکھ کر، اس کے پاس Breaks ہیں ۔ وہ آپ کے لئے وہ کھول سکتا ہے۔ جو آپ اپنے بل بوتے پر نہیں کھول سکتے۔ وہ ہمیں ہماری بساط اور یہاں قابلیت سے زیادہ عطا کرتا ہے۔ بس ہمارا یقین، ایمان بھروسہ، اس پر ہونا چاہیے۔

ایک نوجوان نے ملازمت کے لئے بنک میں apply کیا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں اس سے زیادہ قابل لوگ اپنے کاغذات جمع کروا رہے تھے۔ ایک ہفتہ تک اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کے دل میں برے برے خیالات آنے شروع ہو گئے کہ تمہارے ساتھ کبھی بھلا نہیں ہوگا۔ تمہیں کبھی صدقہ نہیں ملے گا۔ لیکن کچھ دن بعد بنک کی طرف سے لیٹر ملا کہ تمہیں تمہاری لکھی ہوئی تنخواہ سے 20% زیادہ ملے گی۔ کیونکہ بنک نے اپنی پالیسی تبدیل کر لی ہے۔ خدا آپ کو موقع دیتا ہے ۔ جب آپ زیادہ قابل نہیں بھی ہوتے۔ اگر یہ سب کچھ اس نوجوان کے لئے ہو سکتا ہے تو یقیناً میرے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ بس ہار مت مانیں۔ صبح اٹھیں خدا پر یقین رکھیں۔ نڈر بنیں۔ خود میں طاقت پیدا کریں۔ کہیں آج کا میرا دن بہت اچھا گزرنے والا ہے۔ خدا میرا بھلا کرنے والا ہے۔ حالانکہ مجھے کوئی راہ نہیں مل رہی۔ لیکن پھر بھی کہیں کہ مجھے راہ مل جائے گی۔ خدا کو ڈبے میں بند نہ کریں بلکہ اسے کھوجیں کہ وہ اتنا بڑا ہے۔ جتنا بڑا یقین ہوگا۔ اتنی بڑی ہماری قسمت ہوگی۔

بڑی مشکل ہے دوستوں سے دور رہنے میں

شازیہ عبدالحق (استاد)

کہا جاتا ہے کہ جو لوگ آپس میں مل جل کر رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ معاشرتی مفادات میں تعاون کرتے ہیں۔ وہ سب آپس میں دوست ہوتے ہیں۔ انسان اس دنیا میں تنہا زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اسے دوسروں کے تعاون اور محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپس میں میل ملاپ اور محبت سے معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ ہوتا ہے۔ وگرنہ معاشرتی بگاڑ معاشرے کی جڑیں کھوکھلی کردیتا ہے۔

اگرچہ دوستی کا مفہوم بہت وسعت رکھتا ہے۔ مگر دوستی نام ہے اپنے آپ کو کسی دوسرے کے لیے وقف کر دینے کا۔ دوست کی عزت وآبرو پر مر مٹنے کا۔ دوست کے لیے جان کا نذرانہ پیش کر دینا بھی دوستی کا حق ادا کر دینے کے مترادف ہے۔

کسی کی خاطر مدارت کرنا دوستی نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی سے الفت بڑھا لینا دوستی کہلاتا ہے۔

بقول شاعر:

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

آج کل دوستی میں بھی ریاکاری عام ہے۔ کچھ لوگ صرف اپنا مطلب نکالنے کے لیے دوستی کرتے ہیں۔ جو جس قدر زیادہ خوشحال ہے۔ اس کے دوستوں کی تعداد بھی زیادہ ہے لیکن جیسے ہی بدحالی آپ کے پاس آئے گی۔ دوست غائب ہونا شروع ہو جائیں گے اور پھر آخر میں یہی مثال باقی رہ جائے گی۔

وہ شخص کہ جس کے لئے ہر ایک کو چھوڑا
وہ شخص بھی آخر میں میرا دوست نہ نکلا

دوستی نام ہے۔ دوست کے لیے جان قربان کرنے کا۔ یہ دوستی کا ہی جذبہ تھا کہ ہجرت مدینہ کے وقت غارِ ثور میں قیام کے دوران حضرت ابوبکر نے تمام تکلیفیں خود برداشت کیں اور ہمارے نبی پر آنچ تک نہ آنے دی۔

سچے دوست میں ایثار کا جذبہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ نہ صرف بے تکلف ہوتے ہیں بلکہ آدمی کے ہر کام میں مدد کرتے

ہیں۔ ہر کسی کے دکھ درد میں شریک ہونا اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں۔ ان کی باتیں سچی اور خلوص سے بھری ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لیے کرتے ہیں۔ ریاکاری اور دکھاوے کے لئے نہیں۔

اس لئے اگر ہم کسی سے دوستی کریں تو خلوص نیت سے کریں۔ اس مقصد سے کریں کہ اپنے دوست کے کام آ کر ہم اللہ کی نظر میں اچھے انسان بن سکیں۔ خود غرض دوستوں کے لئے صرف یہی کہا جاسکتا ہے۔

بڑی مشکل ہے دوستوں سے دور رہنے میں
مگر فائدہ ہے کہ پیٹھ میں خنجر نہیں ہوتا

دوستی صرف مسلمانوں سے نہیں بلکہ غیر مسلموں سے بھی کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ تجارتی لین دین کے لئے ہمیں بہت سے معاملات بیرونی ممالک سے طے کرنے پڑتے ہیں۔ لیکن ان سے دوستی کرتے وقت احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ان سے دوستی صرف لین دین کی حد تک کرنی چاہیے۔ کیونکہ اگر آپ انہیں رازدار بنائیں گے تو وہ کسی بھی وقت اپنے فائدے کے لئے آپ کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

" کہ دلی دوستی صرف مومنوں کے ساتھ کرو"۔

اگر ہم انبیاء کرام کے حالات پر نظر ڈالیں تو دوستی کی بہترین مثال حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ ہیں۔ اللہ نے انہیں اپنا بہترین دوست کہا اور ان کا لقب خلیل اللہ قرار پایا۔ وہ اپنی ہر مشکل اللہ سے بیان کرتے تھے توحید کے اقرار پر۔ جب نمرود نے انہیں آگ میں ڈالا تو یہ اللہ سے محبت کا عالم تھا کہ وہ بے خوف و خطر اس آگ میں کود پڑے۔ اس پر تو انسانی عقل بھی حیران رہ جاتی ہے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی

کیونکہ انہیں اس بات پر پورا یقین تھا کہ اللہ ان کے ساتھ ہے اور اس ساتھ کی وجہ سے آگ بھی گل وگلزار بن گئی۔

برائی کی طرف لے جانے والا آپ کا بہترین دوست نہیں ہے۔ دوست وہ ہے جو آپ کو مصیبت سے بچائے اور ہر مشکل میں آپ کا ساتھ دے اور کسی بھی لمحے آپ کو اکیلا نہ چھوڑے۔ وہ آپ کی تعریف تو سب کے سامنے کرے لیکن اگر آپ کہیں غلط ہوں تو آپ کو اکیلے میں سمجھائے۔ ایسے مخلص دوست بہت کم ملتے ہیں۔ جو دوستی کے لئے سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔

کہانیاں

اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے

اریبہ عظمت (ہفتم ٹی)

احمد اپنے بڑے بھائی کے ساتھ گاؤں جا رہا تھا۔ راستے میں آموں کا ایک باغ تھا۔ اتفاق سے اس وقت باغ میں رکھوالا موجود نہ تھا۔ احمد کے بھائی کا دل للچایا، "احمد میں درخت پر چڑھ کر آم توڑتا ہوں۔ تم ذرا دھیان رکھنا، کوئی دیکھ نہ لے!" اتنا کہہ کر وہ آم توڑنے کے لئے درخت پر چڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد احمد کی آواز آئی۔ "بھائی جان کوئی دیکھ رہا ہے"۔ اس کا بھائی جلدی سے نیچے اتر آیا۔ ادھر ادھر دیکھا، کسی کو نہ پایا۔ اسے ڈانٹ کر پھر سے درخت پر چڑھ گیا۔ کچھ ہی دیر میں احمد نے پھر آواز لگائی۔ "بھائی جان کوئی دیکھ رہا ہے"۔ وہ پھر نیچے اتر آیا۔ ادھر ادھر دیکھا کسی کو نہ پا کر جھلائے اور کہا" کون دیکھ رہا ہے"۔ احمد بولا، "اللہ دیکھ رہا ہے!"۔

اس کا بھائی شرمندہ ہو گیا اور بولا بھائی، تم نے میری آنکھیں کھول دیں۔ میں بھول گیا تھا کہ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے۔ اللہ ہر وقت دیکھ رہا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟؟؟

جب دل میں کوئی برا خیال آئے یا غلط کام کے لئے کہے تو لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھنا چاہیے۔

سایہ دار درخت

مومنہ علی (ہفتم ج)

میں بچپن سے اپنے والدین سے گاؤں کے بڑے درخت کے بارے میں سنتی آرہی ہوں۔ وہ درخت بہت بڑا گھنی چھاؤں والا درخت تھا۔ گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں جب کسان اپنی فصل پر محنت کر کے آتے۔ چرواہا اپنی بکریاں چرواکر آتا اور بچے سکول سے تھکے ہارے آتے تو وہ سب جوق در جوق اس درخت کے نیچے اکٹھے ہو جاتے۔ کچھ لوگ آرام کی نیند سو جاتے، بچے بھاگتے، کھیلتے، کچھ لوگ آپس میں باتیں کرتے اور بہت خوش رہتے۔ مجھے یہ سب دیکھ کر میرے سکول نیشنل ماڈل کی پرنسپل مسز تسنیم میر یاد آجاتیں۔ جن کی شخصیت بالکل اس گھنی چھاؤں والے سایہ دار درخت کی سی ہے کہ جب بھی بچوں میں سے ان کے والدین یا استادوں میں سے کوئی مشکل میں ہو تو ایک دم مسز میر کی بہترین رہنمائی اور ان کی ہر طرح کی جائز مدد کے لیے اس سایہ دار درخت کی طرح کھڑی ہوتی ہیں۔ جو کہ مشکل میں آسودہ اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کے احساس کی طرح ہوتا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ پچھلے (22) سال سے ہیں اور میری دعا ہے کہ اگلے کئی سال اسی طرح خوشحال اور تندرست رہیں اور ہم ان سے فیض یاب ہوتے رہیں۔ ایسے لوگ مدتوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ قوموں کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ یوں میں اپنے سکول کے دوستوں، والدین اور اساتذہ کے ساتھ ہمیشہ ان کے سائے تلے کھیلتے بڑھتے رہنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ وہ ہمارے سکول کے لئے ایک روشن چراغ ہیں۔

غریب لکڑ ہارا

لائبہ ساجد (پنجم ایس)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک غریب لکڑ ہارا جنگل میں رہتا تھا۔ وہ بہت محنت سے روزی کماتا تھا۔ وہ اپنے بیوی بچوں کو پالنے کے لئے جنگل میں لکڑیاں کاٹتا اور شہر جا کر بیچ آتا۔ ایک دن وہ اپنا کلہاڑا لے کر جنگل میں لکڑیاں کاٹنے کے لیے گیا۔ جنگل کے پاس ایک دریا تھا۔ وہ لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ اس کا کلہاڑا دریا میں گر گیا۔ وہ بہت پریشان ہو گیا اور سوچنے لگا۔ "اب کیا کروں"۔ اچانک سامنے اس کی نظر پڑی کہ ایک بوڑھا چلتا آ رہا تھا۔ وہ انسان نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ تھا۔ جو اس کی مدد کے لیے آیا تھا۔ اسے معلوم نہ تھا۔ وہ آیا اور پوچھنے لگا بیٹا اتنے پریشان کیوں ہو؟" لکڑ ہارے نے جواب دیا کہ بابا میں ایک غریب کسان ہوں۔ محنت کر کے اپنی روزی کماتا ہوں۔ میں جنگل میں لکڑیاں کاٹنے کے لئے آیا تھا کہ میرا کلہاڑا اچانک دریا میں گر گیا۔ بابا نے کہا فکر نہ کرو۔ بیٹا میں تمہاری مدد کروں گا، بابا نے دریا میں چھلانگ لگائی اور ایک چاندی کا کلہاڑا نکالا اور لکڑ ہارے سے پوچھا کیا یہ تمہارا کلہاڑا ہے۔ لکڑ ہارے نے جواب دیا جی نہیں، یہ میرا کلہاڑا نہیں ہے۔ بابا نے پھر ایک سونے کا کلہاڑا نکالا اور پوچھا کیا یہ تمہارا کلہاڑا ہے؟ لکڑ ہارے نے جواب دیا جی نہیں، یہ میرا کلہاڑا نہیں ہے۔ پھر اس کے بعد بابا نے لکڑی کا کلہاڑا نکالا اور پوچھا کہ کیا یہ تمہارا کلہاڑا ہے۔ لکڑ ہارے نے جواب دیا، جی یہی میرا کلہاڑا ہے۔ بابا نے خوشی سے کہا بیٹا میں انسان نہیں، بلکہ ایک فرشتہ ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا یہ دیکھنے کے لئے کہ تم ایماندار ہو یا نہیں۔ تم ایک ایمان دار انسان ہو۔ اس لئے یہ چاندی اور سونے کا کلہاڑا اب تمہارا ہے۔ لکڑ ہارے نے اس کا شکریہ ادا کیا اور خوشی خوشی اپنے گھر چلا گیا۔

پیارے بچو! "ایمانداری میں ہی کامیابی ہے"۔

امّاں جی

جویریہ عظیم (پنجم ٹی)

ہمیں اماں جی اس وقت زہر لگتیں، جب وہ سردیوں میں زبردستی ہمارا سر دھوتیں۔لکس، کیپری، ریکسونا کس نے دیکھے تھے!

کھجور مارکہ صابن سے کپڑے بھی دھلتے تھے اور سر بھی۔آنکھوں میں صابن کانٹے کی طرح چبھتا تھا اور کان اماں کی ڈانٹ سے لال ہوجاتے۔ہماری ذرا سی شرارت پر اماں آگ بگولا ہوجاتیں اور کپڑے دھونے والا ڈنڈا اٹھا لیتی تھیں۔

لیکن مارا کبھی نہیں۔۔۔کبھی عین وقت پر دادی نے بچا لیا۔کبھی بابا نے اور کبھی ہم ہی بھاگ گئے۔

گاؤں کی رونقوں سے دور عین فصلوں کے بیچ ہمارا ڈیرہ تھا۔ڈیرے سے پگڈنڈی پکڑ کر گاؤں جانا اماں کا سب سے بڑا شاپنگ ٹور ہوا کرتا تھا اور اس ٹور سے محروم رہ جانا ہماری سب سے بڑی بدنصیبی!!

اگر کبھی اماں اکیلے گاؤں چلی جاتیں تو واپسی پر ہمیں مرنڈے سے بہلانے کی کوشش کرتیں۔ہم پہلے تو ننھے ہاتھوں سے اماں جی کو مارتے۔ان کا دوپٹا کھینچتے۔پھر ان کی گود میں سر رکھ کر منہ پھاڑ پھاڑ کر روتے۔کبھی اماں گاؤں ساتھ لے جاتیں تو ہم اچھلتے کودتے خوشی خوشی ان کے پیچھے بھاگتے۔شام گئے جب واپسی ہوتی تو ہم بہت روتے۔ہمیں گاؤں اچھا لگتا تھا۔

اماں ہم گاؤں میں کب رہیں گے۔میرے سوال پر اماں وہی گھسا پٹا جواب دیتیں۔

"جب تو بڑا ہوگا۔۔۔نوکری کرے گا۔۔۔بہت سے پیسے آئیں گے۔۔۔تیری شادی ہوگی۔۔۔وغیرہ وغیرہ"۔

یوں ہم ماں بیٹا باتیں کرتے کرتے تاریک ڈیرے پر آن پہنچتے۔

ایک بار ابو جی اپنے پیر صاحب کو ملنے سرگودھا گئے ہوئے تھے۔میں اس وقت چھ سات سال کا تھا۔مجھے شدید بخار ہوگیا۔اماں جی نے مجھے لوئی میں لپیٹ کر کندھے پر اٹھا لیا اور کھیتوں کھلیانوں سے گزرتی تین میل دور گاؤں کے اڈے پر ڈاکٹر کو دکھانے لے گئیں۔

واپسی پر ایک کھالے سے گزرتے وہ کھلیان میں گر گئیں لیکن مجھے بچا لیا۔ انہیں شاید گھٹنے پر چوٹ آئی۔ ان کے منہ سے میرے لئے " حسبی اللہ " نکلا۔ یہ واقعہ میری زندگی کی سب سے پرانی یادداشتوں میں سے ایک ہے۔ پھر میں جانے کب بڑا ہو گیا اور اماں سے دور ہو گیا۔ سال بعد جب گھر آتا۔ تو ماں گلے لگا کر خوب روتی لیکن میں سب کے سامنے ہنستا رہتا۔ پھر رات کو جب سو جاتے تو چپکے سے ماں کے ساتھ جا کر لیٹ جاتا اور اس چادر میں منہ چھپا کر خوب روتا۔

ماں بیمار ہو گئی تو میں چھٹی پر ہی تھا۔ انہیں کئی دن تک باسکوپان دے کر سمجھتا رہا کہ معمولی پیٹ درد ہے۔ جلد آفاقہ ہو جائے گا۔ پھر درد بڑھا تو شہر کے بڑے ہسپتال لے گیا۔ جہاں ڈاکٹر نے بتایا کہ جگر کا کینسر آخری اسٹیج پر ہے۔ خون کی فوری ضرورت محسوس ہوئی تو میں خود بلڈ بینک پر جا لیٹا۔

ماں کو پتہ چلا تو اس نے دکھ سے دیکھ کر اتنا کہا۔۔۔ کیوں دیا خون۔۔۔ خرید لیتا۔ پاگل کہیں کا۔

میں بمشکل اتنا کہہ سکا۔ اماں خون کی چند بوندوں سے تو وہ قرض ادا نہیں ہو سکتا۔۔۔ جو آپ مجھے اٹھا کر گاؤں ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھیں اور واپسی پر کھالے سے گزرتے ہوئے گر گئی تھیں۔

وہ کھلکھلا کر ہنسیں تو میں نے کہا " اماں مجھے معاف کر دینا میں۔۔۔ میں تیری خدمت نہ کر سکا . "

ماں نے میرے سامنے دم توڑا۔۔۔ لیکن میں رویا نہیں۔۔۔ دوسرے دن سر بھاری ہونے لگا تو قبرستان چلا گیا اور قبر پر بیٹھ کر منہ پھاڑ پھاڑ کر رویا۔

ماں سے بچھڑے مدت ہو گئی۔ اب تو یقین نہیں آتا کہ کبھی اس دنیا میں ماں تھی بھی یا نہیں۔

آج بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے پٹھانوں اور سوڈانیوں کے ہاتھوں فٹ بال بنتا بنتا جانے کیسے دیوار کعبہ سے جا ٹکرایا۔ یوں لگا جیسے مدتوں بعد پھر ایک بار ماں کی گود میں پہنچ گیا ہوں۔ وہی سکون جو ماں کی گود میں آتا تھا۔ وہی اپنائیت، وہی محبت جس میں خوف کا عنصر بھی شامل تھا۔ اس بار گلا پھاڑ کر نہیں، دھاڑیں مار کر رویا۔

ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا رب کعبہ۔۔۔ اور ہم سدا کے شرارتی بچے۔

کفائت شعاری

عائشہ افتخار (پنجم ٹی)

اقراء اور حرا دو سہیلیاں تھیں۔ حرا امیر خاندان سے تعلق رکھتی تھی جبکہ اقراء ایک غریب لڑکی تھی۔ حرا نے کبھی اقراء کو یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ ایک غریب لڑکی ہے۔ اگر کوئی بھی مشکل پیش آتی تو دونوں مل کر حل نکالتیں۔ ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں شریک ہوتیں۔ دونوں پکی سہیلیاں تھیں۔ وہ دونوں ہم جماعت تھیں۔ حرا کو روزانہ پچاس روپے خرچے میں ملتے تھے مگر اقراء کو صرف دس روپے ملتے تھے۔ اقراء کی امی جب اسے اس کا کھانے کا ڈبہ دیتیں ساتھ ہی دس روپے بھی دیتیں اور وہ بخوشی لے لیتی۔ اقراء دس روپے میں صرف سات روپے خرچ کرتی اور تین روپے بچا لیتی۔ لیکن حرا سارے پیسے خرچ کر لیتی۔ وہ جو مانگتی، اس کے والدین اسے لا دیتے۔

ایک دن سکول میں اقراء کی پنسل کھو گئی۔ اب اسے ایک اور پنسل کی ضرورت تھی۔ اس وقت اس کی جمع پونجی اس کے کام آئی اور اس نے کینٹین سے پنسل خرید لی۔ دن تیزی سے گزرتے گئے۔ ایک دن حراء نے اقراء کو اپنے بستے میں سے سو روپے نکالتے ہوئے دیکھا۔ وہ بہت حیران ہوئی۔ اسے تجسس ہوا کہ اس کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے۔ آخر اس نے پوچھ ہی لیا اقراء! تمہارے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے؟ اقراء بولی۔ حرا! میں کافی دنوں سے سات روپے خرچ کر رہی ہوں۔ باقی کے تین روپے اپنے گلے میں ڈال دیتی ہوں۔ آج میں نے اپنی جمع پونجی گلہ توڑ کر دیکھی تو اس میں سے دو سو روپے نکلے ہیں۔ میں نے سکول کی لائبریری میں ایک کتاب دیکھی تھی۔ "سیرتِ طیبہ ﷺ"، وہ کتاب مجھے بہت پسند ہے۔ تب سے میں نے سوچا تھا کہ کتاب خریدوں گی۔ حرا اس کی بات سے بہت متاثر ہوئی۔ تفریح کے پیریڈ کے بعد اقراء جب لائبریری پہنچی تو وہ چونک گئی کیونکہ اس کے ابو وہاں موجود تھے۔ اس نے استانی سے کہا کہ مجھے یہ کتاب چاہیے۔ استانی جی نے اقراء کو کتاب دی اور اس نے معاوضے کے طور پر سو روپے دے دیے۔

اب اقراء بہت خوش تھی کیونکہ اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ اس کے ابو نے پوچھا کہ یہ پیسے تمہارے پاس کیسے آئے؟ اس نے اپنے ابو کو

سارا واقعہ سنایا۔اس کے ابو بہت خوش ہوئے اور انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔

اخلاقی سبق:

کفایت شعاری بہت اچھی عادت ہے۔کبھی بھی فوری ضرورت آن پڑے تو کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑتا،کسی کے طعنے نہیں سننے پڑتے اور شرمندگی محسوس نہیں ہوتی۔

ٹائم مشین

نور فاطمہ (پنجم ایس)

کسی دور دراز گاؤں میں ایک لڑکا رہتا تھا۔اس کا نام ولی محمد تھا۔وہ اکثر سکول کے وقت سے کم از کم ایک گھنٹہ پہلے پہنچ جاتا تھا اور وہ ایک گھنٹہ درخت کے نیچے بیٹھ کر کتاب پڑھنے میں گزار دیتا۔ان کوششوں کے باوجود وہ سب زہریلے جملے اس کے کانوں میں پڑ ہی جاتے تھے۔جن سے اس کے کانوں میں درد ہونے لگتا اوراس کا دل چھلنی ہو جاتا تھا اوراس کی روح تک زخمی ہو جاتی تھی۔ ارے وہ جارہا ہے قاتل کا بیٹا اور کچھ لوگ کہتے " قاتل باپ کا بیٹا بھی قاتل "۔اب وہ سکول میں بھی اکیلا اور سہما سہما رہتا تھا۔دو تین سال تو خیریت رہی۔پھر کمال دین ٹھیکے دار کا بیٹا جمال دین اس کی جماعت میں داخل ہو گیا تو اس کو اس کے متعلق معلوم ہو گیا۔جمال کو پتہ نہیں ولی محمد کے ساتھ کیا دشمنی تھی جیسے ہی کمرۂ جماعت میں ہوتا یہی جملہ سننے کو ملتا" قاتل باپ کا بیٹا قاتل "۔جیسے ہی ماسٹر صاحب جماعت میں داخل ہوتے سب کو ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کرادیتے ۔اب ماسٹر صاحب جمال کو بھی کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ وہ واحد ایسا لڑکا تھا جس کا باپ وقتاً فوقتاً بڑی بڑی رقمیں چندے کے طور پر سکول کو دیا کرتے تھے۔اب ولی محمد گھر میں ہی رہتا تھا تاکہ لوگوں کے یہ طعنے نہ سننے پڑیں اور دنیا کے سامنے شرمندہ نہ ہو۔صرف ماسی نوراں ہی تھی جو اس کا خیال رکھتی اور ولی محمد کو وقت پر کھانا دیتی۔ ماسی نوراں دنیا کے سامنے ایک غریب عورت تھی ۔ایک رات ولی محمد سو رہا تھا۔اس نے دیکھا کہ وہ ایک سرسبز وشاداب دنیا میں پہنچ گیا ہے۔وہاں سب نے سفید رنگ کے کپڑے پہنے ہیں۔تھوڑی دیر بعد اس نے ایک آدمی کو دیکھا اور کہا کہ " آپ میرے والد کو جانتے ہیں اور کیا آپ کو ان کے گھر کا راستہ پتا ہے؟" آدمی نے کہا" جس گھر کے سامنے تم کھڑے ہو، وہی تمہارے باپ کا گھر ہے۔وہ گھر کے اندر داخل ہوا تو اسے اپنے ماں باپ نظر آئے اور وہ ان سے چمٹ گیا۔اس نے گھر کو جب دیکھا تو گھر چھوٹا تھا مگر بہت خوبصورت تھا۔ وہ بالکل جنت کی طرح تھا۔گھر اندر سے بھی ایسا تھا جیسے کوئی باغ ہو۔اس کی امی نے کھانا پکایا اور سب نے مل کر کھانا کھایا۔ پھر ولی محمد کے دل میں صرف ایک ہی بات تھی کہ سب لوگ اسے قاتل کا بیٹا کہتے ہیں۔

اس کے ابو نے اسے ساری بات بتائی۔ پھر ولی محمد نے ساری بات کو سمجھنے کے بعد سوچا کہ وہ یہ بات اخباروں میں چھپوا دے۔ آہستہ آہستہ سب لوگوں نے اخبار میں یہ بات پڑھی تو سب کو پتا لگا کہ ولی محمد کا باپ اور ماں قاتل نہیں ہیں۔ ولی محمد اتنا مشہور ہوا کہ ولی محمد کی اس کہانی پر ایک ڈرامہ بھی بنایا گیا۔ آخر کار ولی محمد کو سکون ملا اور پھر وہ خوشی خوشی رہنے لگا۔ اس نے کہا کہ واقعہ اللہ پاک اپنے مظلوم بندوں کی ضرور مدد کرتا ہے۔

شاعری

ہوائی جہاز (نظم)

اقراء جمشید (ششم ٹی)

وہ دیکھو ہوا ئی جہاز آرہا ہے
بجاتا ہوا اپنا ساز آرہا ہے
جو ننھی نے پوچھا کہ بھیا یہ کیا ہے؟
اڑا جارہا ہے ، چلا جارہا ہے
تو ہنس کر وہ بولا اری اے جمیل
کہتے ہیں اس کو تو لوہے کی چیل
ہے اس چیل کے پیٹ میں آدمی
جو اس کو ہے لے کر چلا جا رہا
بڑا ہو کے سمجھوں گا میں اس کا راز
چلاؤں گا میں بھی ہوائی جہاز

ششم جے کی طالبات (نظم)

شوال فاطمہ (ششم جے)

ششم جے کی سب طالبات
سب کی سب ہیں آپ جناب

صالحہ، زینب خان مگر
بیٹھی ہوئی نہ آئیں نظر

نور، منتہا اور ایمان
ہر سوان کا ہے دھیان

نٹ کھٹ سی مریم، سیماب
مہکتی کلیاں اور گلاب

تحریم، عریبہ اور شوال
باتوں میں ہیں باکمال

رتل، عائشہ اور مشعال
پڑھ پڑھ کر ہیں ہوئیں بے حال

اقرا، مریم اور دیان
سب شیطان کی خالہ جان

اشمل، سامعیہ اور ماہین
بھاگیں تو ہل جائے زمین

معصومہ، عریشہ اور عمارہ
ہر کوئی ان کو ڈانٹ کے ہارہ

عید (نظم)

اریبہ عظمت (ہفتم ٹی)

آؤ مل کر عید منائیں
آپس میں سب ملیں ملائیں
اچھلیں، کودیں، جشن منائیں
شور مچا ہے، شور مچائیں
گلے ملیں اور گلے لگائیں
اور خوشی کے گل کھلائیں
خوشیوں کے ہم دیپ جلائیں
عید کے نغمے گاتے جائیں
خوب ہنسیں اور خوب ہنسائیں
گھر کے در و دیوار سجائیں
اوپر نیچے آئیں اور جائیں
میٹھی میٹھی چیزیں کھائیں

طالب علموں کے نام (نظم)

مصباح خرم (استاد)

محبت کی کہانی اور شے ہے
جوانو! نوجوانی اور شے ہے
اے جسموں پر حکومت کرنے والو!
دلوں پر حکمرانی اور شے ہے
سمندر، جھیل، دریا آب جو بھی
مگر آنکھوں کا پانی ، اور شے ہے
نئے لوگوں میں اپنی دلکشی ہے
مگر جو ہے پرانی، اور شے ہے
صباؔ ان کا کلام ان کی زبانی
تیرا تیری زبانی اور شے ہے

غزل

صفورا عامر (استاد)

پلِ صراط عاشقی پر چلنے والو سوچنا
چلتے چلتے جو ذرا بھی لڑکھڑایا مر گیا

بے وجہ ہی تو نہیں ہے اس چمن میں خامشی
جو بھی طائر چہچہایا پھڑپھڑا یا مر گیا

ایک پل کی بات ہے کہ جاوداں تھا میلہ
سطحِ آب سے ذرا سا سر اٹھایا مر گیا

اِلفتوں کا راگ ہے یا اجل کا تو روگ ہے
اپنے دل کی تان پر جو گنگنایا مر گیا

میرے خوں آلود چہرے پر سکوں تھا اس قدر
قاتلِ بے تاب یکدم تھرتھر ایا مر گیا

میرے ماتھے پر لکھا ہے اب یہ کتبہ دوستو!
اک دیوانہ تھا کسی سے دل لگایا مر گیا

میں اکیلا رہ گیا ہوں تیرگی کے دشت میں
میرا ہمدم، میرا ساتھی، میرا سایہ مر گیا

دعا (نظم)

بصارہ خاں (نہم ایس)

کوئی عروج دے نہ زوال دے
مجھے صرف اتنا کمال دے
مجھے اپنی راہ پہ ڈال دے
کہ زمانہ میری مثال دے

تیری رحمتوں کا نزول ہو
مجھے محنتوں کا صلہ ملے
مجھے مال و زر کی ہوس نہ ہو
مجھے بس تو رزقِ حلال دے

میرے ذہن میں تیری فکر ہو
میری سانس میں تیرا ذکر ہو
تیرا خوف میری نجات ہو
سبھی خوف دل سے نکال دے

تیری بارگاہ میں میرے خدا
میری روز و شب ہے یہی دعا
تو رحیم ہے تو کریم ہے
مجھے مشکلوں سے نکال دے

میری ماں (نظم)

تحریم فاطمہ (ششم ج)

بزرگوں کے قصے سناتی ہیں امی
ہمیں اچھی باتیں بتاتی ہیں امی
انہوں نے بنایا ہے اس گھر کو جنت
مصیبت میں بھی مسکراتی ہیں امی
خدایا سلامت رہیں وہ ہمیشہ
ہمیں مشکلوں سے بچاتی ہیں امی
دلوں کو لبھاتا صبح کا ہے منظر
ہمیں جب سویرے اٹھاتی ہیں امی
ہمیں دے کے لمحہ ہر اک زندگی کا
متاعِ دل و جان لٹاتی ہیں امی
وہ رکھتی ہیں اپنا صدا نرم لہجہ
دلوں میں جگہ خوب پاتی ہیں امی
رہے ان کا سایہ ہمارے سروں پر
تمازت سے ہم کو بچاتی ہیں امی
مصیبت کے ماروں کی امداد کر کے
خدا سے صلہ اس کا پاتی ہیں امی
ہمیں اپنی جاں سے بھی پیاری ہیں امی
ہمیں اچھی باتیں بتاتی ہیں امی

خدارا ہوش میں آؤ (نظم)

اریبہ عظمت (ہفتم ٹی)

تمہی نے دین کی رسوائی کا ہراک کام کر ڈالا
تمہی نے ملتِ بیضا کو ہے بدنام کر ڈالا
جہل کی مت بنو ٹولی، خدارا ہوش میں آؤ
نہ کھیلو خون کی ہولی، خدارا ہوش میں آؤ
شعور و آگہی کے سب دریچے ہی مقفل ہیں
تمہارے دل ، غلاظت ، گندگی کی گویا دلدل ہیں
نہ بولو کفر کی بولی، خدارا ہوش میں آؤ
نہ کھیلو خون کی ہولی، خدارا ہوش میں آؤ
تمہارے خون میں اپنے وطن کے پیارے لوگوں کی
تمہارے دل میں اس دل کش چمن کے پیارے پھولوں کی
عداوت کس نے ہے گھولی؟ خدارا ہوش میں آؤ
نہ کھیلو خون کی ہولی، خدارا ہوش میں آؤ
نہ مارو پھول سے بچے کو سمجھ لو چال دشمن کی
لگا لو دل سے اپنوں کو ، اتارو کھال دشمن کی
چلاؤ مت یہاں گولی، خدارا ہوش میں آؤ
نہ کھیلو خون کی ہولی، خدارا ہوش میں آؤ
لہو آلود موسم ہیں، فضائیں دل گرفتہ ہیں
حیات اس بربریت پر بہاریں بھی افسردہ ہیں
بنا ہے کفر کی جھولی، خدارا ہوش میں آؤ
نہ کھیلو خون کی ہولی، خدارا ہوش میں آؤ

ایک لڑکا (نظم)

ایک چھوٹا سا لڑکا تھا میں جن دنوں
ایک میلے میں پہنچا ہمکتا ہوا
جی مچلتا تھا کچھ مول لے نہ سکا
لوٹ آیا لیے حسرتیں سینکڑوں
ایک چھوٹا سا لڑکا تھا میں جن دنوں
خیر محرومیوں کے وہ دن تو گئے
آج میلہ لگا ہے اسی شان سے
آج چاہوں تو اک اک دکاں مول لوں
آج چاہوں تو سارا جہاں مول لوں
نارسائی کا اب جی میں دھڑکا کہاں؟
پر وہ چھوٹا سا، الھڑ سا لڑکا کہاں؟

غزل

عبدالہادی (ہشتم اے)

نیت شوق بھر نہ جائے کہیں
تو بھی دل سے اتر نہ جائے کہیں

آج دیکھا ہے تجھ کو دیر کے بعد
آج کا دن گزر نہ جائے کہیں

نہ ملا کر اداس لوگوں سے
حسن تیرا مر نہ جائے کہیں

آرزو ہے کہ تو یہاں آئے
اور عمر بھر نہ جائے کہیں

جی جلاتا ہوں اور سوچتا ہوں
رائیگاں یہ ہنر نہ جائے کہیں

آؤ کچھ دیر رو ہی لیں ناصرؔ
پھر یہ دریا اتر نہ جائے کہیں

غزل

حمزہ اعظم (ہفتم بی)

ہم سے پیار جتاتے کیوں ہو
جھوٹی قسمیں کھاتے کیوں ہو
ظلم اگر تم سہہ نہیں سکتے
اس کوچے میں آتے کیوں ہو
جھوٹ بھلا بولا ہی کیوں تھا
آخر اب شرماتے کیوں ہو
آئینہ خانہ ہے یہ دنیا
دنیا سے گھبراتے کیوں ہو
ہجر کے دکھ سے تم ہو واقف
چھوڑ کے ہم کو جاتے کیوں ہو

مسز تسنیم میر کے نام (نظم)

نازیہ پروین (استاد)

مسز میر کی میں کہانی سناؤں
سنو دوستو! میں زبانی سناؤں
بتاؤں تمہیں میں کہ وہ کون، کیا ہیں؟
تعلیمی ادارے کی وہ سربراہ ہیں
پوچھو جو ان کے اصول وضوابط
امانت، دیانت، شرافت، صداقت
سفارش پہ ہرگز وہ مائل نہیں ہیں
حیلوں، بہانوں کی قائل نہیں ہیں
حقیقت ہے یہ کوئی کہانی نہیں ہے
ڈسپلن میں کوئی ان کا ثانی نہیں ہے
قول وعمل میں بھی وہ معتبر ہیں
ہمدرد، مخلص، سراپا ہنر ہیں
خوف وہراس ان کو آتا نہیں ہے
کوئی کام چور ان کو بھاتا نہیں ہے

سلیقے، قرینے سے جب بولتی ہیں
موتی دانائی کے وہ رولتی ہیں
تعلیمی نتائج زمانے سے اعلیٰ
دنیا کے ہر اک پیمانے سے اعلیٰ
ہمارے ادارے سے جو پڑھ کو جائے
ہر فیلڈ میں دھاک اپنی بٹھائے
بچپن، بڑھاپا، جوانی سناؤں
مسز میر کی میں کہانی سناؤں

غزل

تسنیم عاجزہ (استاد)

وہ بھی ہیں لوگ جو اپنوں کو بھلا دیتے ہیں
حادثے جینے کا انداز سکھادیتے ہیں
جن کے الفاظ و تخیل میں ہو شاہین کی پرواز
راہِ ظلمت میں وہ اک شمع جلادیتے ہیں
جن کی ہیبت سے ہو دریا و سمندر میں سکوت
کفر و باطل کو وہ اک پل میں مٹادیتے ہیں
ہم نے ہر دور میں عشق کی صورت دیکھی
فکرِ دوراں سوزِ فطرت کا پتہ دیتے ہیں
ہماری صورت پہ ہی مر مٹنے کی تمنا تھی انہیں
ہر کسی کو کہاں دل میں جگہ دیتے ہیں
جب بھی خلوت میں ہوا کرتی ہے ان کی جلوت
بے سبب ہی وہ لمحات مزادیتے ہیں
ہم نے ہر بار زمانے سے چھپانا چاہا
کوئی پوچھے تو بہانہ سا بنادیتے ہیں

میری خواہش (نظم)

تسنیم عاجزہ (استاد)

میرے مولیٰ مجھ کو عطا نہ ہو
کوئی لمحہ وہ جو بے کار نہ ہو
میں جو تیرے گھر کی طرف چلوں
نہ کوئی راہ میں دیوار ہو
مجھے ان چراغوں کی آرزو
جو جلیں تو جشنِ بہار ہو
مجھے ایسے پھولوں کی جستجو
جو کھلیں تو ہر سو بہار ہو
مجھے ایسے دیس کی خواہشیں
جہاں دھول نہ گرد و غبار ہو
جہاں حق کے چہرے پہ ہو خوشی
جہاں جھوٹ ہو کہ بیمار ہو
جہاں ظالموں کو سزا ملے
جہاں ہر طرف ہی قرار ہو
جہاں عدل نام ہو عدل کا
نہ حقیقتوں سے فرار ہو
جہاں لوگ ہوں میرے ذوق کے
کوئی ہلکا دل کا غبار ہو
جہاں بے غرض سے ہوں سلسلے
نہ کسی کا دوست مکار ہو
میرے مولیٰ مجھ کو عطا نہ ہو
کوئی لمحہ وہ جو بے کار ہو (آمین)

نظم: سانحہ پشاور

تسنیم عاجزہ (استاد)

شہادت کے جذبے سے سرشار سارے
فوجی جوانوں کے بچے بے چارے
16 دسمبر کی اک صبح ایسی
ثابت ہوئی جو قیامت کے جیسی
پشاور کے مکتب کے روشن ستارے
گھر سے تھے نکلے وہ سنورے سنوارے
بستے اٹھا کر وہ گھر سے چلے تھے
بڑے تھے یا چھوٹے سب ہی بھلے تھے
معصوم چہرے تھے روشن جبینیں
دشمن جو آیا کئے پیش سینے
نہ چہرے پر ان کے ذرا شکن آئی
بہادر جوانوں نے جرأت دکھائی
لہو ان کا جس دم زمیں پر گرا تھا
گلوں نے انہیں بڑھ کے سجدہ کیا تھا
ہوا کیا کوئی یہ بتا نہ سکے گا
وطن میرا ان کو بھلا نہ سکے گا
بہن اپنے بھائی کے بن کیا جئے گی
اک پل جئے اور اک پل مرے گی
علم کی محبت پہ مرمٹنے والے
نہ وہ جھکنے والے نہ وہ بکنے والے
ہر ماں کے دل میں برابر ہی ہے غم
ہر آنکھ ان کی جدائی میں پرنم
خدا میرے دشمن کو غارت کرے گا
انہیں جس نے مارا تڑپ کر مرے گا
میرے مولیٰ مجھ کو بھی جرأت عطا کر
میں کام آؤں ملت کے تو یہ دعا کر (آمین)

مزاحیات

بچے کی دعا (نظم)

فاطمۃ الزہرہ (ششم ایس)

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
جان اسکول سے بچ جائے خدایا میری
کھیل سے مجھ کو ہو ہمیشہ ہی محبت یا رب
کبھی اسکول کی صورت میں نہ دیکھوں یارب
ہو میرا کام شرارت پہ شرارت کرنا
کھیل اور کھلونوں سے محبت کرنا
میرے اللہ پڑھائی سے بچانا مجھ کو
راہ جو کھیل کی ہے اس پہ چلانا مجھ کو
لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
جان اسکول سے بچ جائے خدایا میری

آیا سبزی والا آیا

جویریہ عظیم (پنجم ٹی)

بابا دینا سبزی لایا
آیا سبزی والا آیا
لوکی، کدو، شلغم، گوبھی
جان بنائے کھائے جو بھی
سرسوں، سویا، پالک میتھی
ساگ ہے تازہ لے لو بیٹی
آیا سبزی والا آیا
آیا سبزی والا آیا
مولی، کھیرا، ککڑی، گاجر
تازہ مٹر ہیں اور ٹماٹر
ادرک، دھنیا، اور پودینہ
لے کر آیا بابا دینا
آیا سبزی والا آیا
بابا دینا سبزی لایا
سیم کی پھلیاں اور کریلا
ٹھیلے پہ سبزی کا میلا
شکر قندی، اروی اور توری
آج نہیں میں لایا سوری
آیا سبزی والا آیا
بابا دینا سبزی لایا

گرمی کا ہے موسم آیا

رمشا (دہم ٹی)

سبزی والا پھل بھی لایا
آم بھی آیا کیلا آیا
تربوز بھی نرالے ہیں
لے لو میاں تازے ہیں
گرمی آئی تو بھنڈی آئی
ساتھ میں بہن توری کو لائی
اتنے میں کریلا آیا
لیکن وہ آج اکیلا آیا
ٹینڈے کے مزاج ہیں بدلے
سب سے بڑھ کر دام ہیں اس کے
دکھنے میں یہ چھوٹا ہے
دام میں بہت ہی موٹا ہے
آلو بخارے جس نے کھائے
سکھ کا سانس اسی کو آئے
آم کا رنگ پیلا ہے
اور یہ بہت رسیلا ہے
پھلوں کا بادشاہ کہلائے
کسی کو خاطر میں نہ لائے

بینگن جو بھاگتا آیا ہے
آلو بھی ساتھ ہی لایا ہے
کہتا ہے بھیا مجھے پکا لو
کھالو مجھ کو مزے سے کھالو
سبزی پھلوں کی ذات ہے اچھی
جانے کس کی بات ہے سچی

ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی

اثناء عرفان (پنجم ٹی)

خالہ اس کی لکڑی لائی
پھوپی لائی دیا سلائی
امی جان نے آگ جلائی
ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی

دیگچی چمچہ نوکر لائے
بھائی چاول شکر لائے
بہنیں لائیں دودھ ملائی
ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی

جوں ہی دسترخواں بچھایا
گاؤں کا گاؤں دوڑ کے آیا
ساری خلقت دوڑی آئی
ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی

دھوبی آیا نائی آیا
پنساری حلوائی بھی آیا
سب نے آکر دھوم مچائی
ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی

امیدوار الیکشن سے پہلے اور بعد

ماہ رخ طاہر (ہشتم جے)

ہر الیکشن سے پہلے پہلے ‏ ‏ بے حد شیریں کلام ہوتے ہیں
بعد الیکشن کے حال یہ ہے ‏ ‏ دور ہی سے سلام ہوتے ہیں
ان کے درشن ہیں خاصے مشکل ‏ ‏ جو برائے نام ہوتے ہیں
بھیڑ سے ہے پرہیز ان کو ‏ ‏ اس سے نزلہ زکام ہوتے ہیں
ایک چٹکی میں سائلوں کے ‏ ‏ کام اکثر تمام ہوتے ہیں
مان لیا ان کو ماہ رخ ‏ ‏ سب انہی کے غلام ہوتے ہیں۔

ماڈرن ڈکشنری

سکندر جاوید (نہم اے)

محبت: جس کے دم سے ریسٹورینٹ آباد ہیں

سٹوڈنٹ: مستقبل کا بے روز گار طبقہ

پردہ: جسے لڑکیاں کھڑکی پر ڈالتی ہیں

کتاب: وقت ضائع کرنے کا ذریعہ

دل: بغیر آپریشن کے کسی کو دیا جا سکتا ہے

کالج: جو کہ بہترین تفریح گا ہ ہے

یونیورسٹی: خوشگوار زندگی کے آخری سال

شادی: ان تمام گناہوں کی سزا

معلومات ومتفرقات

جنت کے دروازوں کے نام

عائشہ طارق (پنجم ٹی)

جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔

۱۔ دارالماوا
۲۔ دارالمقام
۳۔ دارالسلام
۴۔ دارالخلد
۵۔ دارالعدن
۶۔ دارالنعیم
۷۔ دارالکشف
۸۔ دارالریان

میری دعا ہے اللہ ہم سب کو ان دروازوں سے بلائے۔

آسمان کتنا اونچا ہے

زینب افتخار (پنجم ایس)

آسمان زمین کے گرد نظر نہ آنے والی ہوا کی جھلی کا حصہ ہے۔ اس جھلی کو فضا (Atmosphere) کہتے ہیں اور یہ خلا میں تقریباً پانچ سو کلومیٹر تک اوپر ہے۔ فضا میں ایک بہت ہی اہم گیس آکسیجن پائی جاتی ہے جو ہم سب کی زندگیوں کے لئے ضروری ہے۔ صرف زمین ہی واحد سیارہ ہے جس میں انسانوں اور جانوروں کے لئے وافر مقدار میں آکسیجن موجود ہے۔ فضا مختلف تہوں سے بنی ہوئی ہے۔ سب سے نچلی تہہ میں ہوا بادلوں اور موسموں کو زمین کے گرد اٹھاتی پھرتی ہے۔

قرآن پاک کے بارے میں معلومات

محمد عبداللہ (ہشتم بی)

پارے 30
سجدے 14
منزل 7
سورتیں 114
سورتیں مکی 86
رکوع 540
آیات 6666
حروف 323760
زبر 53243
زیر 36582
پیش 8804
مد 1771
شد 1243
نقطے 105681
الف 48872

نفسیات اور قلم

شاہ زیب احمد (ہشتم بی)

ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران قلم کھول کر رکھتے ہیں۔ وہ عموماً ذہین ہوتے ہیں مگر دوسروں کو اچھا مشورہ نہیں دے سکتے۔

ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران قلم کا ڈھکن دوسرے ہاتھ میں رکھتے ہیں وہ عموماً ہوشیار ہوتے ہیں۔ مگر جذبات کے سرد ہوتے ہیں۔

ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران قلم کو منہ میں رکھتے ہیں، وہ عموماً لیکچر سمجھ لیتے ہیں مگر وہ کوئی چیز حفاظت سے نہیں رکھ سکتے۔

ایسے طلباء جو کسی مسئلے کو حل کرنے کے لئے بار بار ماتھے پر مارتے ہیں۔ اصل میں ان کا حساب کمزور ہوتا ہے۔ لیکن وہ اچھے وکیل ثابت ہوتے ہیں۔

ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران قلم کو جیب میں لگائے رکھتے ہیں۔ وہ انتہائی درجے کے مغرور ہوتے ہیں۔

ایسے طلباء جو لیکچر کے دوران قلم کو بار بار کھولتے ہیں اور بند کرتے ہیں۔ وہ عموماً نالائق ہوتے ہیں مگر گھریلو مسائل بڑی خوبصورتی سے حل کرتے ہیں۔

مہکتی کلیاں

اذان کاوش (دہم بی)

چیزیں استعمال کے لئے اور لوگ پیار کے لئے بنے ہوتے ہیں۔ بات تب بگڑتی ہے جب چیزوں سے پیار اور لوگوں کو استعمال کیا جائے۔

مظلوم کا ہر آنسو ظالم کے لیے بددعا بن کر اس کی آنکھ سے ٹپکتا ہے۔

استاد وہ آفتاب ہے جو ہر در و بام پر یکساں چمکتا ہے۔

خوبی وہ ہے جس کا اعتراف دشمن بھی کریں۔ پریشانی حالات سے نہیں، خیالات سے پیدا ہوتی ہے۔

امید اس خوشی کا نام ہے جس کے انتظار میں غم کے ایام سمٹ جاتے ہیں۔

زندگی موت کے تعاقب میں ہے اور موت زندگی کے پیچھے آ رہی ہے۔

بیوقوف کے ساتھ جنت میں بیٹھنے سے قید میں عقلمند کے ساتھ بیٹھنا اچھا ہے۔

چاند کے بغیر رات بے کار ہے اور علم کے بغیر ذہن۔

اقوالِ حضرت علیؓ

عائشہ طارق (پنجم ٹی)

حضرت علیؓ کے پاس ایک عیسائی اور ایک یہودی آیا اور آپؓ کو لاجواب کرنے کے لئے دو سوال کیے۔

۱۔ یہ بتایئے وہ کون سی چیز ہے جو ہم دیکھتے ہیں پر اللہ نہیں دیکھتا۔

۲۔ آپ کہتے ہو قرآن میں ہر چیز موجود ہے تو وہ کیا ہے جو قرآن میں موجود نہیں ہے؟

باب العلم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ اللہ "خواب" نہیں دیکھتا کیونکہ اس کو نیند نہیں آتی نہ ہی اونگھ۔

دوسرا یہ کہ قرآن میں سب کچھ لکھا ہے پر "جھوٹ" نہیں۔ "سبحان اللہ"۔

اقوالِ زریں

حرم شہزاد (نہم ایس)

کبھی کبھی مرنے کے لیے زہر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ حساس انسانوں کے رویے ہی مار دیتے ہیں اور یہ موت بڑی اذیت ناک ہوتی ہے۔

اس غریبی سے پناہ مانگو جو مایوس کر دیتی ہے اور اس مال سے پناہ مانگو جو مغرور کر دیتا ہے۔

اگر زندگی کے راستے میں کانٹے بوتے جاؤ گے تو تمہارے پیچھے آنے والی تمہاری اپنی نسلیں اس راستے پر لہولہان ہو جائیں گی۔

عقلمند اور بے وقوفوں میں کچھ نہ کچھ عیب ضرور ہوتا ہے مگر عقلمند اپنے عیب خود دیکھتا ہے اور بے وقوفوں کے عیب دنیا دیکھتی ہے۔

اقوالِ زریں

عروبہ اختر (ششم ٹی)

1۔ دوسرے کے محل میں حکومت کرنے سے بہتر ہے کہ انسان اپنی جھونپڑی میں حکومت کرے۔ (اشفاق احمد)

2۔ زندگی کی خوبصورتی رشتوں سے ہے اور رشتے تب ہی قائم رہتے ہیں جب ہم ایک معمولی سی مسکراہٹ اور ہلکی سی معذرت سے سب کچھ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ (اشفاق احمد)

3۔ کسی کے خلوص اور پیار کو اس کی بیوقوفی مت سمجھو ورنہ کسی دن تم خلوص اور پیار تلاش کرو گے اور لوگ تمہیں بیوقوف سمجھیں گے۔ (اشفاق احمد)

4۔ کچھ الفاظ محض الفاظ نہیں ہوتے وہ کیفیت ہوتی ہے۔ سمجھ تب ہی آتی ہے جب خود پر سے ہو کر گزرتی ہے۔ (اشفاق احمد)

5۔ دنیا کو چاہتے ہو تو آواز میں نرمی پیدا کرو۔

6۔ کچھ غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے لئے ہم کسی کو معاف تو کر دیتے ہیں۔ مگر پھر پہلے جیسا تعلق نہیں رکھ سکتے۔ (اشفاق احمد)

7۔ جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی، اللہ اس کی عزت کی حفاظت کرے۔ (حضرت علیؓ)

8۔ کوشش کرو کہ تم دنیا میں رہو، دنیا تم میں نہ رہے کیونکہ کشتی جب تک پانی میں رہتی ہے، خوب تیرتی ہے لیکن جب پانی کشتی میں آجاتا ہے تو وہ ڈوب جاتی ہے۔ (حضرت علیؓ)

9۔ کسی پر بھروسہ کرنا ہے تو مکمل بھروسہ کرو۔ یا تو تمہیں اچھا دوست ملے گا نہیں تو سبق۔۔۔ (حضرت علیؓ)

محنت کی عظمت

زینب صداقت (دہم ایس)

ابراہم لنکن ایک کسان کا بیٹا تھا، لیکن محنت کر کے امریکہ کا صدر بنا۔

تھامس ایڈیسن اخبار فروش تھا، لیکن محنت کر کے بڑا سائنس دان بنا۔

ہٹلر میونخ میں تصوریں بناتا تھا، بچپن غربت میں گزرا مگر محنت کر کے جرمنی کا حکمران بن گیا۔

جوزف اسٹالن ایک موچی تھا لیکن اپنی محنت اور لگن سے روس کا وزیر اعظم بنا۔

غلام اسحاق خان نائب تحصیل دار تھا لیکن محنت کر کے پاکستان کا صدر بنا۔

احسان دانش اردو کا معروف شاعر بنا۔ تمام عمر مزدوری کی مگر مشہور و معروف شاعر کی حیثیت سے نام کمایا۔

زندگی

ماہ نور سہیل (ہشتم ٹی)

زندگی کیا ہے؟

زندگی صرف تین سانسیں ہیں۔

ایک وہ جو لے لیا۔ ایک وہ جو لے رہے ہو اور ایک وہ جو لینا باقی ہے۔ جو لے لیا وہ گزر گیا۔ جو لینا ہے اس کی کوئی ضمانت نہیں۔

تو زندگی تو ایک ہی سانس ہوئی ناں!

اے انسان تو کتنا کمزور ہے کہ اللہ کو ایک سانس بھی یاد نہیں رکھ سکتا اور اسے بھول جاتا ہے!!!

ماں اور محبت

بوعلی سینا نے کہا: اپنی زندگی میں محبت کی سب سے اعلیٰ مثال میں نے تب دیکھی۔

جب سیب چار تھے اور ہم پانچ۔ تب میری ماں نے کہا:

"مجھے سیب پسند نہیں ہیں"۔